

۹۸-۵۴۶

۹۸-۵۴۶











Handwritten text in Urdu script, likely a title or heading, possibly reading "تاریخ ہندوستان" (Tarikh-e-Hindostan).

Handwritten text in Urdu script, possibly a signature or a date, possibly reading "۱۲۸۰" (1280 AH).



محقق ہے بدل عالیجناب پندت ٹھاکر پرشاد صاحب ایم ای ایل بی

مُصَنَّف جو نپور کا عالمانہ  
۶۲۵۵  
۲۶۲۹

# فیصلہ

بصیرت افروز

جو کہ موضوع نے

کئی دشمنان جو نپور کے مقدمہ کے متعلق صادر فرمایا

جن کو

سید شیر حسین صاحب چلکانوی اور سیر پوسٹ آفیسر

نے

برائے آگاہی و استفاہ عوام

بانتہام حسینی مشن سہانپور شائع کرایا

(قومی پریس سہانپور میں چھپا)



# کنز الدقائق

فیصلہ ہذا کی طباعت سے کوئی ذاتی فائدہ مقصود

نہیں ہے۔ لہذا جن بیرونی حضرات کو اس فیصلہ کے مطالعہ

کی ضرورت ہو، وہ حسب ذیل پتہ پر صرف تین پیسے کا

ٹکٹ بغرض صرفہ ڈاک بھیج کر مفت طلب فرما سکتے ہیں

مقامی حضرات اس خرچ سے مستثنیٰ ہیں



پتہ: تاج العلماء، مولانا مولوی محمد تقی صاحب

محلا انصاریان سہانپور (یو۔ پی)



# ترجمہ نقل تجویر انگریزی مقدمہ استفسار حق شیعہ جان جوپور

بعد الت جاب پندت ٹھا کر پرشاد صاحب دو بے بہادر ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی منصف جوپور  
مقدمہ نمبر ۵۶۱۳۶ سید محمد علی وغیرہ درمیان بنام مولوی علی حسن وغیرہ مدعا علیہم  
تجویر جوڑہ پندت ٹھا کر پرشاد صاحب دو بے بہادر ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی منصف جوپور بتاریخ  
۲۰ جولائی ۱۹۳۸ء

تجویر ۱۔ یہ ایک بہت مشہور مقدمہ ہے جو کہ شیعہ اور سنی کے باہمی سخت ترین سازغات اور پور  
بہ دلی کوجہ سے ظہور پذیر ہوا ہے شیعہ اور سنی قسطنطنیہ کی مسلم آبادی کے دو بڑے فرقہ ہیں اور ان دونوں  
سے مسلسل نقص امن عامہ سرزد ہوتا رہا ہے اور حال ہی میں ایک نہایت سخت اور اہم بلوہ بھی ہوا  
ہے اس مقدمہ میں شیعہ جان جوپور مدعی اور مدعا علیہ سنیان جوپور میں

دینی کا دعویٰ ہے کہ وہ پامسندگان جوپور میں اور مذہب شیعہ سے تعلق رکھتے ہیں شیکا  
امول خاں مکر اہلبیت کی انتہائی محبت و وفرت کرنا ہے (اہلبیت سے خاندان رسالت اور خصوصاً  
حضرت علی اور ان کے دو صاحبزادے حضرت حسن اور حضرت حسین ہیں) یہ ان کے اعتقاد کا خاص  
جزو ہے کہ امام حسین کا اسلامی حق خلافت ظالمانہ اور فاسادہ طور پر نہیں لانا لیا اور مزید یہ کہ  
بنی امیہ کے ظالمان سے تھا غصہ کر لیا اور حضرت حسین کا قتل کرنا کی لڑائی میں اتنا نامنصفانہ  
اور وحشیانہ تھا کہ تاریخ اسلام میں اسکی نظیر نہیں ہے۔ اسوجہ سے دنیا کے ہر حصہ میں جہاں پر یہ  
لوگ رہتے ہیں یا ان کی آبادی کا بڑا خرد ہے صدیوں سے امام حسین کی شہادت کی یادگار  
مناتے ہیں اور یہی لوگ عرصہ دراز سے جوپور میں بھی کرتے چلے آ رہے ہیں۔ انکا خاص معاملہ  
یہاں پیر ہے کہ ۱۹ صفر کو ہر سال وہ امام بارگاہ اسلام سے ایک جلوس نکالتے ہیں جوپور  
کے شاہراہ عام سے ہوتا ہوا ایک گلی کو جبکہ نام قاضی کی گلی ہے پار کر کے ایک مقام پر  
جو صدر امام بارگاہ سے منسوب ہے آتے ہیں۔ پیرانی رسم کی تقلید میں یہ لوگ اس قسم کے تخری  
کا جلوس منہ نوحہ داتم اٹھاتے ہیں جس میں کہ تاشہ و طبل بھی ہوتا ہے اور اس کے درمیان میں



ہم حسین کی شہادت اور مصائب پہ اور ان فقہانات پر جو کہ اسلامی دنیا کو ان کی شہادت سے  
 چھینے میں ان کے قاتلوں پر اور خلیفہ ابن سعد و خضر بن و سنان و غیرہ و شیعہ و شمر  
 اور خوئی پر لعنت کہتے ہیں اور سنی عالم طور سے شیعوں کے اس مذہبی کام میں رکاوٹ ڈالتے  
 ہیں اور ان کے جائز حقوق کا انکار کرتے ہیں ماسوجہ سے مدعیان حسب ذیل عرض پر ذہن  
 کہ شیعوں کے حق میں اس بات کی دگر دی دی جائے کہ وہ اپنے مذہبی جلوس کو ناشہ و ٹیل  
 بھاتے ہوئے اور امام حسین کی شہادت پر نوحہ و ماتم کرتے ہوئے اور مندرجہ بالا سات آدمیوں  
 پر لعنت کہتے ہوئے جو پورے ہر شاہراہ عالم سے اور قاضی کی گلی سے بچا سکیں۔ مدعا علیہم  
 مدعیان کے ان قانونی حقوق کو جو کہ انہوں نے اپنے دعوئی میں طلب کئے ہیں مندرجہ ذیل  
 وجوہات پر جو ان کے بیان تحریری میں ہیں انکار کرتے ہیں

(۱) شیوہ حکم اپنے جلوس کو لیجاتے ہیں تو وہ خفیہ طور سے پہلے تین خلیفوں پر جنگ و خلاف  
 فحاشہ کہتے ہیں لعنت کرتے ہیں جو خلاف قانون ہے اور اسی وجہ سے مقامی حکام مدعیان  
 کے حقوق پر قبو دعائد کرتے چلے آئے ہیں اور یہ مدعیان کا غلط بیان ہے کہ وہ جلوس  
 لیجاتے وقت امام حسین کے قاتلوں پر نفرین اور لعنت کرتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ  
 غلطہ فحاشہ پر لعنت کرتے ہیں اور اس کے خلاف ظاہر کرتے ہیں :

(۲) مندرجہ بالا ساتوں اشخاص پر بھی لعنت کرنا برا ہے کیونکہ ابن سعد سے عمر ابن سعد  
 رسالتاب کا عزیز تھا اور عمر حضرت علی کا سادہ ہوتا ہے اور بقیہ تمام مسلمان تھے۔ اسوجہ سے  
 انکا نام لے کر لعنت بھیجا جرم ہے اور قانوناً اجازت نہیں دی جاسکتی۔ لعنت کا لہنا جنگ و تہا  
 کہتے ہیں اسکو مدعیان ناشہ اور ٹیل کی آواز کے ساتھ کہتے ہیں جس سے کہ ان کی آواز میں اس  
 میں دہ جاتی ہیں اور دوسرے دگر لے نا قابل مسامحت ہو جاتی ہیں۔ شیعوں کا یہ کام خلاف قانون  
 ہے اسوجہ سے مقامی حکام مدعیان کے جلوس پر قبو دعائد کرتے ہیں

اسی مدعا علیہم مدعیان کے حقوق کے لئے مداخلت نہیں کرتے اور نہ وہ مقامی حکام  
 شیعوں کے خلاف اس بارے میں کوئی کارروائی کرنے کے لئے رجوع کرتے ہیں۔ اسوجہ سے  
 مدعیان کو مدعا علیہم خلاف بنائے فحاشہ کر نیکی کوئی وجہ نہیں ہے :



(۴) فردی برآن جو پور میں مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے جو کہ ان ساتوں آدمیوں کو جن کا ذکر دعیان فی کیا ہے اپنا پیشوا مانتے ہیں اس لئے ان اشخاص پر لعنت کہنے سے نفقہ امن کا اندیشہ ہے۔  
 (۵) ان سب کے علاوہ تقریباً داری۔ رونا۔ ماتم کرنا خود مذہب شیعہ کے ہی خلاف ہے۔ اسوجہ  
 ان کا کوئی حق دینا نہیں چاہئے (۶) سکرٹری آف اسٹٹ آف انڈیا کا بھی فریق مقدمہ ہونا ضروری  
 ہے۔ مدعا علیہم کی آخری استدعا یہ ہے کہ (ڈگری کا دینا) عدالت کی جو ڈیشیل رائے پر منحصر ہے  
 اور جس حق کی درخواست کی گئی ہے اس سے نفقہ امن مائتہ کا اندیشہ ہے (اسوجہ سے) عدالت  
 کو ایسا استقرار نامنطور کرو دینا چاہئے۔ بہنچوہ اس مقدمہ میں مذکورہ ذیل تنقیحات قابل غور ہیں  
 تنقیحات ۱۔ (۱) کیا دعیان کو مجاز ہے کہ وہ اپنے مذہبی جلوس کو جس کا ذکر عرضی دعوئی  
 میں کیا ہے نکال سکتے ہیں (۲) آیا دعیان کے اس طریقہ سے جلوس نکالنے پر مدعا علیہم کو  
 کو کوئی اعتراض کر سکتا قانونی حق ہے (۳) آیا سکرٹری آف اسٹٹس آف انڈیا ایک فریق  
 سے ہے اگر ہے تو مقدمہ پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے (۴) آیا دعیان کو کوئی بنائے مختصت  
 اس مقدمہ کے لئے ہے یا نہیں (۵) اگر کوئی حق ہے تو دعیان کس حق کے پانیکے  
 مجاز ہیں۔

### منجوزہ

تنقیحات ۱۔ ۲۔ اس مقدمہ میں فریقین کے اختلافات اور اصل معاملہ کے متعلق ان  
 کے نظریوں کو صحیح طور پر معلوم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تاریخ اسلام کا وہ حصہ جہاں پر  
 انکی اصلیت اور ان دونوں فرقوں کے اختلافات مسندج ہیں بہت مختصر طور پر بیان کی جائے  
 دونوں فریق جناب رسالتا محمد پر اور ان کے مواعظ اور احکامات پر پختہ اعتقاد رکھتے  
 ہیں اور اسکا اعلان کرتے ہیں۔ اسبطرح دونوں کا پختہ اعتقاد قرآن پر بھی ہے۔ رسالتا  
 کے انتقال کے وقت تک وہ اسلام کی تبلیغ رسول نے کی تھی اس کے سچے معتقد بن ہیں  
 کوئی اختلاف نہ تھا۔ ان کے انتقال کے بعد محقق ترین سوال جو کہ اسلامی دنیا کے سامنے آیا  
 وہ ان کے جانشین کا تقرر تھا جو کہ خلیفہ یا سلطنت اسلام کا مذہبی سیاسی سرور کہا جائیوالاتھا  
 اپنی وفات کے بعد نبی نے اپنی بیوہ حضرت عائشہ اور اپنے محبوب ترین بھائی و داماد حضرت علی کو



جن کی شادی رسالتا ب کی اکلوتی بیٹی جناب فاطمہ سے ہوئی تھی اور اپنے دونوں سوں حسن اور حسین کو جو کہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے بیٹے تھے چھوڑا۔ ان کے علاوہ اہلبیت میں سے ان کے انتقال کے بعد کوئی نہ تھا۔ جیسا کہ مشر آرمڈ نے بی بی ہائیکورٹ کے ایک اسم خوبہ گیس میں تجویز میں تحریر کیا ہے کہ سلام کی عام توقع تھی کہ حضرت علی جو کہ نبی کے شاگرد اولین اور محبوب صحابی اور ان کی اکلوتی بیٹی جناب فاطمہ کے شوہر تھے پہلے خلیفہ ہوں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ جناب رسالتا ب کی نو جوان اور محبوب بی بی عائشہ نے جو کہ علی و فاطمہ کی لاگنی دشمن تھیں اپنے باپ جناب ابو بکر کا اپنے اثر سے انتخاب کرادیا۔ وہ (حضرت علی) کو مستحق تھے کہ ان پر پورا عقائد رکھا جائے کیونکہ وہ اپنے زمانہ کے بہادر ترین ہستیوں کے مقابلہ سے بالاتر تھے۔ اتنا بہادر عقلمند۔ مالی بہت۔ منصف صاحب ایثار کہ تاریخ میں کوئی اور ہستی بہت مشکل سے ان پر سبقت لیا سکتی ہے۔ اسی کیساتھ نبی خدا کی اکلوتی بیٹی کے شوہر اور ان کے دونوں صاحبزادے حسن اور حسین ناما کی محبوب ترین ہستیاں جو کہ مجمع عام میں سیدہ شباب اہل الجنتہ کا خطاب پائے ہوئے تھے اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت علی ان آدمیوں میں سے تھے جنہوں نے کہ رسول کی تمام زندگی میں ہر اس کام میں جنکو کہ رسول نے کیا یا کرنا چاہتے تھے ساتھ دیا۔ جیسا کہ محمد کو مسلم اور غیر مسلم تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی رسالتا ب کے ناگزیر ساتھی تھے۔ اپنے معاملات میں رسالتا ب کے ساتھ ان کا دیکھنا نہ تھا جو با رسول کا جالس کے ساتھ۔ یہ صحیح طور پر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت علی رسالتا کی طاقت کو مخصوص مستحکم کر نوا لے تھے۔ کونسل جمیر میں عقلمند اور سیدان جنگ میں بہادر سپاہی تھے۔ انہیں کی تلوار سے خندق۔ احرار بدر اور خیبر کی اہم فتوحات ہوئیں اگر یہ فتوحات نہ ہوتیں تو جناب رسالتا ب کی تبلیغ (مشن) بالکل ابتدا ہی میں پامال ہو جاتی اور دنیا سے ایسی اصلاح جو تاریخ انسانیت میں بی مثال تھی ضائع ہو جاتی جناب رسالتا ب کی دنیاوی طاقت حضرت علی کے مستحکم کرنے کی بدولت اس قابل ہوئی کہ اسلام کا پیام حاکم طغولیت میں دیا جائے۔ اسوجہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی اسلام کی امارت کے لئے



سب سے زیادہ مستحق اور سب سے زیادہ مستحق تھے۔ ساتھ ساتھ سے خاندانی تعلقات کی بنا پر بھی اور اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے بھی وہ رسالتاب کے مخلص ترین دوست اور ساتھی تھے۔ علیہ اس بات کا یقین کرتے ہیں کہ اگر صاف اور کھلا ہوا انتخاب ہوتا تو حضرت علیؑ جیت گئے ہوتے۔ دوسری وجہ ان کے استحقاق خلافت کی یہ ہے کہ خود نبی نے اپنی دوران زندگی میں دنیا کی ساری کھلی بندوں حضرت علیؑ کی جانشینی کے متعلق اپنی خواہش کا اظہار کر دیا تھا میں ذیل کی عبارت مہشتری آن مومن ایسا رصفہ ۱۱ مصنفہ منیر رائس سے نقل کرتا ہوں: کہہ سے آئے کے وقت اس موقع پر رسول اللہ کے افعال سے حضرت علیؑ کی نسبت ایسے اشارہ اخذ ہوتے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ حضرت علیؑ کو کم از کم اس روحانی عزت و حرمت کا جانشین کرنا چاہتے تھے جو ان کے (رسول) کے تابعین کے ان میں بھی خواہ وہ دنیاوی طاقتوں کی تمام غزوتوں میں وہ جانشین نہ کر سکیں۔

واقعہ غدیر اور حضرت علیؑ کا استحقاق خلافت۔ اپنے سفر کی ایک منزل اتمام پر غدیر خم کے موقع پر دو رختوں کے ایک جھنڈ کے نیچے پلان شتر سے ایک مہر بنوایا اور مجمع کو جمع کیا۔ جناب رسالتاب دہی طرف حضرت علیؑ کو لئے ہوئے مہر پر تشریف لے گئے اور مجمع کو مخاطب کر کے کہا..... تب انھوں نے کہنا شروع کیا کہ ہر اس شخص کو جن کے نزدیک میں محبوب ہوں علی ابن ابیطالب کو ویسا ہی کہنا چاہئے۔ تب انھوں نے حضرت علیؑ کو مہر پر بلند کرنے کے لئے اپنے ہاتھوں کو بڑھایا اور ایسا ہوئیں حضرت نے اپنے پر رسول رسالتاب کے گھٹنوں پر رکھ دیا۔ پھر آپ نے خطبہ میں رسالتاب نے یہ فرمایا کہ اس بڑے مجمع میں جو لوگ کہ تم کو اپنا بادشاہ اور مالک تسلیم کرتے ہیں ویسا ہی حضرت علیؑ کے بارے میں بھی بلا پس و پیش خیال کریں۔ اس کے بعد انھوں نے خود خدا سے محب علیؑ کو دوست رکھا۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ کا مشا حضرت علیؑ کو روحانی و سیاسی دونوں سرداری کا جانشین بنانا مقصود تھا۔ لیکن اگر لوگ ان کی عزت سیاسی معاملات میں پوری طور پر نہ کر سکتے تو کم از کم روحانی سرداری کی عزت حضرت علیؑ سے وابستہ رہے۔



رکھنے اور ان لوگوں سے جو علی کے دشمن تھے ہمیشگی کی دشمنی رکھنے کی پر خلوص دعا کی۔ اس کے  
 بعد رسالتِ اکبر اپنے خیمہ میں تشریف لیگے اور حضرت علی کو اس خیمہ میں جا چکی ہدایت کر گئے جہاں پر  
 کہ تمام اہلِ خلافت کی اس امام اور مبارک نامزدگی پر مبارکباد دینے کے لئے جمع ہوا تھا۔ بلکہ  
 یہ نوٹ کر رہا ہے کہ محرابِ اہلسنّہ تاریخِ اسلام کے ابتدائی زمانہ کے مشہور و مستند مصنف میں  
 اس سند سے حضرت علی کا تحتِ خلافت کا استحقاق بہت بلند ہو جاتا ہے اور محفوظ بنایا دیا  
 پڑا جاتا ہے۔ حضرت علی کی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ اپنے عادات میں بہت سادہ تھے انوار میں  
 خود نمائی نہ تھی اور وہ اپنے حقوق پر اڑنے لگے تھے۔ رسالتِ اکبر کے انتقال کے بعد حضرت  
 علی ان کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے اور اسی دوران میں عایشہ نے رسالتِ اکبر کی محبوب  
 بیوہ کی حیثیت سے پورے اثر سے کام لیا اور اس وقت اپنے باپ کے انتخاب کو محفوظ  
 کر لیا۔ ان کی دوسری بدقسمتی حضرت عایشہ کی ناخوشی کا برا لگنا تھا کہ حضرت عایشہ اس  
 وقت خاندانِ رسالت میں نمایاں فروغ تھیں اور ان کا اثر اور دباؤ جنابِ رسالتِ اکبر پر خصوصاً  
 ان کے اخیر زمانہ میں بہت تھا جبکہ عایشہ کی وفاداری جنابِ رسالتِ اکبر کی نسبت مشتبہ  
 ہو گئی تھی۔ یہ وہی حضرت عائشہ کے خلاف ہو گئے تھے۔ یہ انھوں نے کسی اور وجہ سے  
 نہیں کیا سوائے اس کے کہ وہ جنابِ رسالتِ اکبر کی حتی الامکان خدمت کرنا چاہتے تھے  
 حضرت عایشہ نے اس دشمنی کو اپنے دل میں رکھا اور جب موقع آیا تو انھوں نے اپنا پورا اقتدار  
 حضرت علی کے خلاف صرف کر کے ان کو سزا دل کر دیا۔ اور اپنے باپ حضرت ابو بکر کا جو کہ اس وقت  
 با اثر آدمی تھے تحتِ خلافت کے لئے انتخاب کر لیا۔ اور اس صورت سے حضرت علی کی  
 تمام حقوق کو باہمال کر دیا۔ جنابِ رسالتِ اکبر اور ان کے اسلام کے نہایت ہی وفادار و متفاد  
 نے اس نا انصافی کی زحماتوں کو سختی سے برداشت کیا۔ اس گروہ کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ  
 حضرت علی ہی ایسے شخص ہیں جو خلافتِ پائے کے مستحق ہیں اور یہی وہ آدمی ہیں جن کا اعتقاد  
 ہے کہ یہ حضرت علی کا پیدائشی حق ہے اور ان کی اولاد کو اسلام کی مذہبی اور سیاسی سرکاری  
 پر فائز ہونا چاہئے تھا۔ اور تینوں خلفاء ابو بکر، عمر، عثمان حقِ خلافت کے غاصب تھے اور  
 وہ سب حضرت علی کی جائز وراثت کے چھیننے کے مجرم تھے اور یہی فرقہ تھا جو کہ بعد میں شیعہ



یعنی دوست یا ساتھی کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ شیعوں اور اہل بیت کے اہلبیت یعنی علی اور ان کے صاحبزادے حسن اور حسین اور جناب رسالت کی صاحبزادی جناب فاطمہ کے پیرو ہیں۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جس نے حضرت علی کے حق کو وجوہات مذکورہ سے نہیں مانا اور اپنے خلیفہ کے انتخاب کو الیکشن کے اصول پر رکھا بعد میں اہل سنت یا سنی کے نام سے موسوم ہوا۔

چوتھی خلافت کے بعد حضرت علی کے مخالفین کا زور بہت بڑھ گیا۔ حضرت عثمان کے انتقال کے بعد جب حضرت علی کا حق پورے طور پر مان لیا گیا اور وہ تخت خلافت پر بیٹھے لیکن ان کے مخالفین کا زور برابر کارفرما رہا۔ اہلبیت کے خاص دشمن بنی امیہ تھے جو کہ عرب کے قبیلہ قریش کی ایک شاخ تھے اور جن کا مقصد سرغنہ ایک شخص اور بنی تھامیہ جناب محمد اور ان کے مشن کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا اور وہ اشاعت تبلیغ اسلام اور دنیاوی طاقت کے حصول کے ہر موقع پر جان توڑ کر لڑا۔ اور جب جناب رسالت کی دینی و دنیوی طاقتیں ناقابل شکست اور مقابلہ سے بالاتر ہو گئیں تو ابوحنیفہ نے اور ان کے خاندان نے کافی برخاستہ دلی سے اسلام قبول کر لیا مگر جب رسالت اور ان کے اسلام کے خلاف بغض و حسد کی آگ اب تک ان کے دلوں میں سُلگی ہوئی تھی۔ خلافت وہ کافی طور سے دبا دی گئی تھی۔ معاویہ اسی ابوسفیان کے صاحبزادے تھے۔ وہ حضرت علی کے درپے آزار تھے۔ اور آخر کار حضرت علی نہایت ہی مکارانہ چالوں کیساتھ قتل کر دئے گئے۔ یہ معاویہ بہت طاقتور آدمی تھے اور انہوں نے حضرت علی ہی کی زندگی میں سلطنت اسلامی کا ایک حقہ حاصل کر لیا تھا۔ بہر حال حضرت علی کو امن و امان کے ساتھ حکومت نہیں کرنے دی۔ اور جبکہ معاویہ حضرت عائشہ کی مدد سے حضرت علی سے لڑ رہے تھے تو مؤخر الذکر حضرت علی کو ایک مسلمان یا مبنی نے مسجد کوفہ میں جو کہ دریائے فرات کے مغرب میں ایک شہر سے قتل کر ڈالا۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسن ان کی جانشینی کے مستحق ہوئے جیسا کہ مشر آزملہ کی تحقیق ہے کہ حسن جو کہ عالم اور پرہیزگار تھے اور اپنے باپ کی موت پہ بڑوں و غمگین تھے۔ اپنے سلطنت پر پیدائشی



حق کو ایک بڑے سالانہ خزانے کے تیرہ میں معاویہ کے ہاتھ فروخت کر ڈالا اور اپنی  
بقیہ زندگی میں اس رقم کو مدینہ میں مذہبی اور خیراتی کاموں میں صرف کرنے لگا۔  
۶۶۰ء میں بنی خدا کے اس بیگناہ اور نازی نواسہ کو ان کی بیوی سے زہر دیا گیا  
جبکہ معاویہ کے لڑکے یزید نے جو کہ دمشق کا دوسرا امیر خلیفہ ہوا ایسا جرم کرنے پر  
رشوت دیکر تیار کیا تھا۔ اب رسول اللہ کے گھر آنے کے بعد دارم بن حسین رہ گئے۔ یہ  
علی و فاطمہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے جو کہ بیاد اور شریف تھے اور جنہیں آنکے باپ کی  
بہت کچھ سپرد موجود تھی۔ معاویہ نے اپنے مرنے سے قبل یزید کو اپنا جانشین نامزد کیا  
اور یہ دونوں نے اس صلہ کے شرائط کے بالکل برعکس کیا جو ان کے اور امام حسن و حسین  
میں ہوا تھا کہ معاویہ کے مرنے کے بعد امام حسن یا امام حسین خلیفہ ہوں گے۔ تنہا سے یزید  
کے بعد معاویہ کا انتقال ہو گیا اور یزید اپنے باپ کے تخت پر بطور نمائندگی استحقاقی وراثت  
کی بنا پر بیٹھا۔ معاویہ کا اپنے لڑکے کو امارت اور خلافت کے لئے نامزد کرنا خلفاء کی  
غیر منصفانہ جانشینی تھی۔ اس وجہ سے یزید کی جانشینی بالکل ابتدائی ناجائز تھی۔ یہ یزید صیاح  
اور پرتیا یا لیا ہے، بوسفیان کا پوتا تھا۔ جب سے کہ حضرت علیؑ نے خلافت کا ایک معاویہ کو  
دیا اس وقت سے تاریخ اسلام میں خاندان بنی امیہ میں معاویہ اور اس کا باپ بوسفیان جو کہ  
اسلام اور رسول کے سخت ترین دشمن تھے شامل تھے بن بنی امیہ نے اپنی پوری سلطنت شام  
میں قائم کر لی اور اس کا دارالسلطنت دمشق قرار دیا۔ انہوں نے ایک دوسرے قسم کے اسلام کی  
تبلیغ کرنی شروع کر دی اور اس طرح سے رسالت مآب کے مذہب کو کچھل ڈالنے کی کوشش  
کی۔ اس طرح سے اس وقت دمشق میں مصنوعی مذہب اسلام خلفاء امیہ کے زیر حمایت رکھا یا  
جا رہا تھا۔ لیکن مدینہ میں ابھی تک حقیقی اسلام کی آفریں شعاع اہلبیت کے دو ستاروں  
کے زیر حمایت زندہ تھی۔ تاریخ اسلام میں یہ ایک اہم موقع تھا جس میں سے مذہب رسالت  
کو گزند آتا تھا۔ اگر معاویہ اور اس کا خاندان مدینہ میں اہلبیت کی طاقت اور اسپرٹ کو ہائمال  
کو دینے میں کامیاب ہو گیا ہوتا تو آج کے دن اسلام کی تاریخ بالکل مختلف ہوتی اور بہت



ممکن ہے کہ رسالتِ نبی کے اسلام کو پامال ہوئے ایک عرصہ ہو گیا ہو تا۔ بنی امیہ کے خاندان کے لوگ صحفوں نے اس غیر مطمئن زمانہ میں بہت اہم کام کئے۔ رسول کے دشمن ہوتے ہوئے خراب حالِ چین کے آدمی تھے۔ جیسا کہ گئین نے اپنی ڈیپلائمن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر کے صفحہ ۱۹۰ میں لکھا ہے۔ سولے اہل شام کے خلفاء بنی امیہ پبلک کے ہر دھڑ نہیں رہے۔ جناب رسالتِ نبی کی زندگی شاید ہے کہ ان میں بہت پرستی کا استقلالِ نبوت قبول اسلام میں برخاستہ دلی تھی۔ اور ان کا عروجِ فترتہ دارانہ جنگ سے ہوا۔ انھوں نے اپنے تخت کو عرب کے سب سے زیادہ پاک اور شریفیوں سے مستحکم کیا۔ بالکل غیر جانبدار انگریز مصنفین مثلاً پرائس گئین اور گلمین نے معاویہ اور یزید کی سخت ترین الفاظ میں برائی کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ مصنفہ پرائس صفحہ ۳۸۶ اور ڈیپلائمن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر مصنفہ گلمین صفحہ ۱۹۰ اور اسے شارٹ ہسٹری آف سیرسین جسٹس امیر علی صفحہ ۱۷ کو معاویہ اور یزید کے تمام طرزِ عمل اور تمام کامِ نہایت ہی غیر اسلامی بالکل ناجائز اور اخلاق سے گریے ہوئے تھے اور اسکا اقبال معاویہ نے خود جبکہ وہ بسترِ مرگ پر پڑے ہوئے تھے کیا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ انھوں نے روزِ قیامت کی خیر۔ سزا کا خیال کیا ہو۔

معاویہ اور یزید کا طرزِ عمل غیر اسلامی تھا۔ میں اس بارے میں میجر پرائس کی کتاب کے حوالہ سے تحریر کرتا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ معاویہ نے اپنے دذرا کے سامنے مرنیکے قبل اقبال کیا کہ میرے لئے تین چیزیں باعثِ ندامت ہیں۔ اول حوصلہ مندی کی اسپرٹ سے اپنے کو گمراہ کر دیا۔ اور اس کی وجہ سے بنی کے پاک خاندان کو ان کے حقوق سے محروم کر دیا۔ دوسرے امام حسن کی بیوی کو اپنے خاوند کے زہر دہنی کے لئے بلایا۔ تیسرے یزید کو قبل از وقت نامزد کر دیا۔ ہسٹری آف محمد بن ایمپائر مصنفہ پرائس جلد اول صفحہ ۳۸۹ اپنے مرنے سے قبل کسی وقت انھوں نے اپنے لڑکے کو بہت سی باتوں سے متنبہ اور شبہا کر گیا۔ میجر پرائس تحریر کرتے ہیں کہ اپنے



دوران بیماری میں اُس نے اپنے جانشین یزید کو اور نصیحتوں کے ساتھ ساتھ کہا کہ ہم  
 انسانی نقطہ نظر کے لیے سلطنت کو تیرے ساتھ میں دی ہے اسکی نسبت جب میں  
 مرجاؤنگا تو چار آدمی باقی رہیں گے جن سے تجھے کو مقابلہ کرنا پڑے گا۔ یہ حسین۔ عبداللہ  
 بن عمر۔ عبدالرحمن۔ اور عبداللہ بن زبیر ہیں۔ یہ تجھکو مناسب ہوگا کہ یہ خیال رکھنا  
 کہ حسین بنی کے نواسے ہیں اور ہم نے اُن سے سلطنت چھینی ہے اور جو کچھ کہہ کر  
 ہمارے پاس ہے انکا ہی تھا۔ اُس نے اُن پر جب توفیق پائے تو اُن کے ساتھ  
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑاؤ کرنا۔ یہ شہادتیں معاویہ کے خدو اقبال سے حضرت علی اور اُن کی  
 اولاد کے استحقاق کے بارے میں اور اپنی قوم حرکتوں کے متعلق ہیں۔ یہ یزید اپنے  
 باپ سے بدتر تھا یہ یزید ہی تھا جو واقعہ کربلا کا ذمہ دار تھا۔ یہ حادثہ تاریخ کا  
 بدترین واقعہ ہے کہ جب یزید اپنے باپ کے مرنے کے بعد تخت پر بیٹھا تو اس  
 نے پوری طور سے محسوس کیا کہ اسکا عروج اسلامی دنیا کی رضا مندی پر نہیں  
 ہے اور خلفاء کے انتخاب کے اصول پر بھی جو کہ اب تک مروج رہا ہے نہیں ہے  
 وہ جانتا تھا کہ سچے مسلمان کا دل نبی کے نواسے امام حسین کی طرف لگتا ہے اور  
 وہ محسوس کرتا تھا کہ امام حسین کی زندگی میں اسکا پوزیشن محفوظ ہے اسوجہ سے  
 اُس نے اُن پر فتنے پائی کی کوشش کی کہ یا تو اپنی سرداری اُن سے منوائے یا ان  
 کو قتل کرے۔ اسوجہ سے اُس نے امام حسین سے بیعت لینے کے لئے اپنے آدمیوں  
 کو بھیجا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ یزید اسوقت اسلامی دنیا کا فتنہ سیاسی  
 بادشاہ ہی نہیں تھا بلکہ اپنے اس کفر کا محافظ اور مبلغ بھی تھا جو کہ اُس کے باپ  
 معاویہ نے نئے اسلام کے لباس میں دُشمن میں جاری کیا تھا۔

امام حسین نے کیوں بیعت یزید کو ارا نہ کی۔ امام حسین نے محسوس کیا کہ  
 اسلام کے ہر قابل غور اصول ہے سلطنت اُن کی ہی تھی اور اُن کا حق ماوی  
 طاقتوں سے سب سے زیادہ نالائق آدمی نے چھینا تھا۔ انھوں نے اسکا بھی اہم  
 کیا کہ یزید کے پاس عہد خلافت رہنے سے سب سے بڑا حادثہ یہ ہوگا کہ نبی کا اسلام



ہیٹ کے لئے ختم ہو جائیگا۔ اور کفر جس کے اکٹھا کرنے کے لئے جناب رسالت کے لئے کوشش کی تھی  
 پھر دوبارہ اسلام کے گھس میں جسکو کہ یزید بٹھالے ہوئے اور ظالم کے ہوئے ہستہ ورج پائیگی  
 خاندان علی نبی کے اسلام کا ہمیشہ سے امین تھا اس لئے امام حسین اپنے نانا کے دین کی تباہی  
 کو برداشت نہ کر سکے وہ اپنی طرح جانتے تھے کہ یزید کی بیعت کو قبول کرنے سے یزید کی مانتی چھٹیت  
 دنیاوی بادشاہ کے ہی نہیں ہے اس سے دہیت سے اسلام کی پاک امانت کا بھی انکار تھا جس کے  
 کہ اب وہی بعد از آخری زمین تھے۔ اسوجہ سے انھوں نے یزید کی بیعت کا انکار کر دیا حضرت علی نے  
 اپنے زمانہ حکومت میں کوفہ کو جو کہ عراق کا ایک بہت شہور شہر تھا اور وہ اسے فرات کے کنارے  
 بابل سے بہت نزدیک اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔ کوئی قدر تا علی کے قتل ہوئے تھے۔ وہ یزید کی  
 غاصبانہ خلافت سے مستغض تھے اور وہ اس کے بجائے امام حسین کو جانتے تھے۔ انھوں نے امام  
 حسین کے پاس اپنے درمیان بلانے کے لئے ہشیار خط بھیجے اور یزید کے خلاف لڑائی میں پوری ہمت  
 دے دینے کا وعدہ کیا۔ امام حسین کے بہت سے دوستوں نے ان کو کوفیوں پر بھروسہ نہ کر سکی تھے  
 وہی کیونکہ وہ لوگ بہت بے ثبات تھے اور ثابت قدمی اور استقلال کی ان میں کمی تھی۔ حسین نے ان  
 دوستانہ مشوروں کا خیال نہ کیا انکا دماغ دوسری ہی طرف رہوے تھا۔ ان کو اچھی طرح سے معلوم  
 تھا کہ کیا ہو نوالا ہے ان کو اپنے نانا کے دین کے تحفظ کا احساس تھا اور یہ یقین تھا کہ وہ اسکو  
 کسی نہ کسی طرح اپنی شہادت سے پورا کریں گے۔ کیونکہ ان کو اس اصول کا یقین تھا کہ شہید  
 کا خون مذہب کی بنیاد ہوتی ہے۔ اس کے بعد واقعہ کر ملا ہوا اور یہی واقعہ ہے جو کہ اس مقدمہ  
 کی بنیاد ہے۔ اس واقعہ کو ایڈورڈو گین کے الفاظ میں بیان کرتا ہوں جس کو انھوں نے  
 اپنی تاریخ کے صفحہ ۷۷ میں درج کیا ہے: "خاندان ہاشم کی سرداری اور رسول اللہ کا منبرک چال چلن  
 ان کی شخصیت میں مجتمع تھے یزید کے خلاف ان کو اپنا مقصد پورا کرنے کی آزادی تھی جو کہ دمشق کا حاکم  
 تھا اور جس کی برائیوں کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جسکا خطاب (استحقاق خلافت) انھوں نے  
 کبھی تسلیم نہیں کیا۔ خضیہ بعد پر ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں کی فہرست کوفہ سے دینے بھی گئی۔  
 جنھوں نے ان کی نفرت کو نہ کیا وعدہ کر لیا تھا اور وہ لوگ متمنی تھے کہ جیسے ہی وہ امام حسین  
 وریکے فرات کے کنارے آئیں اپنی تلواریں کھینچ لیں۔ اپنے عقلمند ترین دوستوں کی رائے



کے خلاف انہوں (امام حسین) نے اپنی ہستی اور اپنے خاندان کو جس بے وفائی کے حوالہ کر لیا اور ادا کر لیا۔ انہوں نے عورتوں اور بچوں کے قافلہ کیساتھ عرب کے رگستانوں کو لئے گیا۔ لیکن جیسے ہی عراق کے صدر میں پہنچے تو وہ ملک کی دیرانی اور دشمنی کی سموت سے آگاہ ہوئے اور ان کو اپنی جماعت کے ارتداد یا تباہی کا خوف ہوا۔ انکا خوف بالکل درست تھا۔ نبی اللہ نے جو کہ کوثر کا گورنر تھا خراج کی پہلی جنگاریوں کو کھادیا اور امام حسین کا پانچزار سواروں سے کرہا کے میدان میں غاص کر لیا اور ان لوگوں نے (امام حسین) دریا اور شہر کے تعلقات کو منقطع کر دیا۔ وہ (امام حسین) اب بھی پاکستان کے کسی قلعہ میں بھکر جا سکتے تھے جس نے راز اور خسرو کی طاقت پسند کردی تھی اور قبیلہ طے کی وفاداری پر عبور کر سکتے تھے جو کہ ان کی مخالفت کے لئے دس ہزار عافروں سے مسلح کر دیتے۔ دشمن کی فوج کے سردار سے ایک گفتگو میں امام حسین نے تین باغزت شرائط پیش کیں ۱۔ ان کو دینہ جانشکی اجازت دی جائے یا ترکوں کے خلاف کسی سرحدی چھاؤنی پر مسجد یا جائے یازید کے سامنے لیجا یا جاوے۔ لیکن خلیفہ کا کمانڈر یا اسکا نصیب سخت اور مختار کل تھا۔ امام حسین کو اطلاع دی گئی کہ وہ یا اپنے آپ کو بطور قیدی اور محرم کے امیر المومنین یزید کے حوالہ کر دیں یا اپنی بغاوت کا نتیجہ دیکھیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم مجھ کو موت سے ڈرانیکا خیال کرتے ہو اور ایک رات کے قلیل عرصہ میں انہوں نے خاموش اور سنجیدہ توکل کیساتھ اپنی قسمت کا مقابلہ کرنے کے لئے خود کو مستعد کیا۔ امام حسین نے اپنی بہن زینب کی گریہ و زاری کو روکا جو کہ ان کے خاندان کے غمگین آنیوالی تباہی پر اسنو بہا رہی تھیں۔ امام حسین نے کہا ہمارا اعتقاد صرف خدا پر ہے۔ آسمان اور زمین کی تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی اور اپنے پیدا کر خوالے کی صورت میں حاضر ہونگی۔

میرے بھائی میرے والد میری ماں مجھ سے بہتر تھے اور ہر مسلمان کے لئے جناب رہا تھا۔ ایک سال میں امام حسین نے اپنے دوستوں پر زور دیا کہ فرار ہو کر جان بچالیں۔ لیکن ان لوگوں نے بالاتفاق اپنے محبوب آقا کو چھوڑنے یا ان کے بعد زندہ رہنے سے انکار کر دیا۔ یوم قتل کی صبح کو امام حسین ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں قرآن لے کر شہت مرکب پر



سوار ہوئے۔ ان کے صاحب ہمت شہیدوں کے گردہ میں ۳۳ سوار اور ۴۴ پیادے تھے۔ ان کے ہمین و بیار و عقب خمیرہ کی فٹابوں اور ایک گہری خندق سے محفوظ تھے۔ دشمن کی فوج نے بیدلی سے آگے بڑھی اور انکا ایک سردار مدد میں ساتھیوں کے برحق موت میں حصہ پانے لگا۔ ان سے علیحدہ ہو گیا۔ قہسار کی کے حملوں میں یا تنہا لڑائی میں فاطمیوں کی عالی دستی کا قابل فتح تھی۔ لیکن محاصرہ کرنے والا گردہ فاصلہ سے تیروں کی بوچھاڑ کرتا تھا جس سے ٹھوڑے سے وہ انسان باری باری مارے گئے۔ جانیسین نے ناز کی اور انکی کے لئے سہلت لی۔ رافکار حسین کے آری رشتہ کی شہادت سے لڑائی ختم ہوئی۔ تنہا زخمی اور ماندہ سوکرا امام حسین اپنی خیمہ کے دروازہ پر بیٹھ گئے۔ جیسے ہی آپ نے ایک قطرہ پانی زبان پر رکھا آپکا دہن اقدس ایک تیر سے زخمی ہوا اور آپ کے ہاتھ اوسے اور بھٹتے چودہ خوبصورت بچے تھے آپ کی ٹوہ میں شہید ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے۔ وہ خون سے بھرے ہوئے تھے۔ اور زندہ اور مردوں کے لئے دعائے خیر کی۔ پریشانی اور مایوسی کے عالم میں امام حسین کی بہن خیمہ سے باہر نکل آئیں اور کوفیوں کے سپہ سالار سے ملتی ہوئیں کہ اپنے سامنے امام حسین کو شہید نہ ہونے دیں۔ اس شریف آدمی کے بھی وارمی سے آسنو بہ نیکے اور حب قریب المرگ بیروان پر (دشمن کی فوج) حملہ آور ہوا تو اس کے بہادر ترین سپاہی بھی ہر طرف بھاگ نکلے۔ یہ جم شمرعین نے جس سے کہ مومنین نفرت کرتے ہیں اس بزدلی پران کی علامت کی اور امام حسین کو نیزہ و تلوار کے ۳۳ زخموں سے شہید کر دیا۔ اس کی لاش کو پال کر لے کے بعد ان کے سر کو کوفہ کے قلعہ میں لے گئے اور سنگدل عبید اللہ نے چٹھری سے اس سر کے منہ پر مارا۔ ایک بوڑھے مسلمان نے کہا کہ میں نے اب نہیں ہونٹوں پر رسول اللہ کے لپٹا اقدس دیکھے ہیں۔ اس کے بعد وہاں سے امام حسین کا سر زید کے سامنے لیجا یا گیا۔

بچھڑائے اس سلسلہ میں اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۴۱ میں حسب ذیل تحریر کیا ہے۔ اسی دوران میں گورنر عبید اللہ ہاتھوں میں چٹھری لے ہوئے امام حسین کے سر پر چوٹس کر سامنے رکھا ہوا تھا مار کر فریٹش ہو رہا تھا۔ اور نہایت ہی قومیں واسپہنزا کر کے خلافت انسانیت فتح



کا نظریہ کر رہا تھا۔ امام حسین کا سر کوفہ کے تمام بازار و منیر شہر کر کے بے درشتی میں زیرِ ک  
 پاں میں پھینک دیا گیا تاکہ اسکو سلام ہو جائے کہ اس کی مکمل فتح ہو گئی اور اسوقت یہ نیا فاتح زیرِ ک  
 سخت خونریز واقعات کی خبر سنا کر ڈر رہا افسوس کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔ اسوقت وہ کوفہ کے نمائند  
 کا ساہرناؤ اپنے بدقسمت حریف کے سر کے ساتھ کرنے سے باز نہ رہ سکا یعنی سر کے ہونٹوں اور  
 دانتوں پر اپنے کورے سے مارتا تھا۔ انہیں وحشیانہ دہشتگیوں میں ایک شخص ابو بردان نے ان  
 مرافعات کے خلاف مداخلت کی اور رد و کد کی کہ ان ہونٹوں کیساتھ تو ایسی وحشیانہ توہمیں کرنا کہ  
 جن کو کہ رسول نے بارہا بوسوں سے سر فرما دیا ہے۔ اس خلاف توقع اور دلیرانہ نکتہ چینی پر  
 زیر نے ابو بردان کے سینہ پر ضرب لگائی۔ اس طرح سے تاریخِ عرب کی قابل ترین ہستی امام حسینؑ  
 کی زندگی اور فقہی زندگی تمام ہو۔ ان تمام مخالفتوں کے باوجود امام حسین کی شخصیت نہانہ  
 قدیم کے آسمان پر مثل ستارہ درخشاں کے ہے اور صبح اسلام و شروع اسلام میں اسلئے انسانی  
 کو بے مثال خاندانہ پہنچا نیوانی ہستی ہے۔ انہوں نے صرف ۲ ماہ آدمی سے جنہیں کہ آپ کے خاندان  
 کی عورتیں اور بچے بھی شامل تھے بائیس ہزار فوج کا مقابلہ کیا اور اسی سبب کے لئے وہ وہاں سے  
 شہادت اختیار کی جس کی کہ ہر مسلمان کو عزت کرنی چاہئے۔ ان کی زندگی کے آخری لمحہ تک  
 قلعے الہی میں ان کا ایمان ناقابل شکست تھا جبکہ ان کا کھانا شکر کے خیر کے نیچے تھا لو ان کے آخری  
 الفاظ یہ تھے کہ وہی ہو گا جو شہادت الہی میں ہیں حضرت عیسیٰ نے بھی جبکہ ان کو صلیب دی جا رہی  
 تھی چلا کر کہا کہ یا اللہ تو مجھ کو بھول گیا ہے۔ سقراط نے جب زہر ملا لیا کھایا تو وہ بھی اپنے  
 نزدیک عورتوں کی گریہ و زاری کو برداشت نہ کر سکا اور ان کو اپنے سامنے سے بھر مٹا دیا  
 حسین تمام دنیا کے بڑے سے بڑے شہید دین کے مقابلہ میں بالاتر ہیں۔ یہ ضرور مٹی ہے کہ  
 ایک شیعہ کو اس طرح کے حادثہ کا انتہائی غم و افسوس ہونا چاہئے کیونکہ آپ ان کے پیشوا ہیں  
 اور تمامی اسلامی دنیا کو اس کا احساس بھی ہے کیونکہ انہوں نے اسلام کے لئے ایسی سختی اسلامی  
 بہادری کی مثال قائم کر دی ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ کے کسی حصہ میں نظر نہیں آتی۔ ہم  
 میں سے ان لوگوں کے سامنے جن کا مذہب شیعہ یا اسلام پر اعتقاد نہیں ہے جب یہ واقعہ  
 ہیبت ناک تفصیلات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے تو ان سے بھی انہوں کی روحانی برکت تمام



کہ کتاب ہے عیساکرگبن نے اپنی کتاب کے صفحہ ۸۹ میں تحریر کیا ہے کہ امام حسین کی شہادت کی  
 ایکسی کا منظر زمانہ بعید میں اور دور دراز ملک میں بھی نہایت ہی مسرور و مہر انسان کا بھی قلب  
 ہلا سکتا ہے۔

جہاں سے تعزیر کی ابتدا اور تاریخ اسلام کا یہی وہ حصہ ہے جس سے زمین کے ہر حصہ  
 میں جہاں جہاں شیعوں رہتے ہیں جہاں سے تعزیر کی بنا ڈالتا ہے۔ تعزیر محض روضہ کریم کی  
 نفل ہے اور کچھ نہیں اور اسکی کو یہ لوگ شہر اور قبیل کی مشرکوں اور گنہگاروں میں گشت کر رہے  
 ہیں اور ساتھ ساتھ مرثیے پڑھتے جاتے ہیں جن میں امام حسین اور ان کی عورتوں اور بچوں  
 کی شہادت کے تفصیلی واقعات درج ہوتے ہیں۔ وہ روتے ہیں اور ماتم کرتے ہیں جب  
 وہ ایسا کرتے ہیں تو ان لوگوں کے منطالم پر جو کہ ان مصائب کے ذمہ دار تھے ان پر نہایت  
 ہی زور دار الفاظ میں جو کہ ان کو مل سکتے ہیں لعنت کرتے ہیں۔ خود بخود بھی امام حسین کی  
 بڑی عزت کرتے ہیں اور وہ بھی نیرید پر اور اس کے ان آدمیوں پر جنہوں نے امام حسین کو  
 قتل کیا لعنت بھیجتے ہیں۔ مسلمانوں میں ایک فرقہ ہے جو کہ با صبی کہلاتا ہے اور وہ حقیقت  
 میں اسیہ اور اس کی اولاد کے پیرو ہیں جنہوں نے اہلبیت یا آل رسول سے جنگ کی یہی  
 فرقہ ہے جو کچھ دلائل کے انہار کے ساتھ امام حسین کی شہادت کی رسومات کی خلاف اعراف  
 کر سکتا ہے۔ یہ فرقہ عملی طور پر قابل لحاظ نہیں ہے اور ان اطراف میں ان لوگوں کے بارے  
 میں نہیں سنا جاتا۔ میں ذیل میں ان کے اعترافات بیان کروں گا۔ اس کے متعلق سب سے  
 زیادہ اہم پائنت فیصل کرنی ہے کہ کیا شبہ طبل بجاتے ہوئے نوحہ و ماتم کے ساتھ اور  
 خصوصاً قاتلان حسین پر لعن کہتے ہوئے اسے جہاں سے کو شاہراہ عام پر لجا سکتے ہیں یا نہیں  
 جہاں سے مذہبی لوگ لے کر کا حق ہر مقدس کے اس حصہ پر ہتھیار میں خیال کرتا ہوں کہ  
 مدعا علیہم کی شہادتوں اور ہر لفظ کو صحیح مانتے ہوئے بھی مدعا علیہم کا معاملہ قانون کے معنی  
 اصول پر قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ میرا خیال ہے کہ یہ معاملہ نزعی حکام بالائے فیصلہ کروا  
 ہے۔ پریوی کوئل کے معنی صاحبان نے منظور بنام محمد زباں کے مشہور مقدمہ (۲۳)  
 ملا بولا جرنل ۱۸۸۹ء میں تمام معقول دلائل کے بعد فیصلہ دیا ہے کہ شہریوں کے ہر طبقہ کو



اپنے مذہبی جلوس مناسب مذہبی رسومات کے ساتھ بادشاہ کے ہر شاہراہ عام پر لگانے کا حق حاصل ہے۔ رپورٹ کے معقولہ ۱۸ پرچے صاحبان حسب ذیل تحریر کرتے ہیں: "مجموع صاحبان کے نزدیک مستند فیصلہ کے لئے ہندوستان میں شاہراہ عام پر مذہبی جلوس لگانے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہندوستان میں مائے ہونے مذہب اور ان کی مذہبی رسومات یقیناً متضاد ہیں پہلا سوال یہ ہے کہ آیا شاہراہ عام پر کسی مذہبی جلوس کو مذہبی رسوم کے لگانے کا حق ہے یا نہیں۔ مجمع صاحبان کے نزدیک اس کا جواب اثبات میں ہے۔ ایسا ہی وہ بھی مقدمہ شیواور ستیوں کا تھا۔ شہر اور رنگ آباد میں شیواہ اپنے جلوس کو جس اور حسین کی شہادت کے متعلق بہت سے علم اور رسوم کے ساتھ لگاتے تھے۔ بن کا جلوس شاہراہ عام پر نوجہ و ماتم کے لئے مختلف مقامات پر رکنا تھا۔ سینوں نے اس جلوس کے اس مقام پر جو ان کی مسجد کے نزدیک قرار کئے پر اعتراض کیا کہ مسجد میں نماز پڑھنے میں خلل ہوتا ہے۔ پریوی کونسل کے چیف صاحبان کی رائے اس مقدمہ میں یہ تھی کہ شیعوں کو اپنے جلوس لگانے کا اور نوجہ و ماتم کر دیا اور جلوس کے ساتھ مذہبی رسومات کے ادا کرنے کا قانونی حق حاصل ہے۔ بہر حال انہوں نے شیعوں کے موافق ان کے حقوق کی بجا آوری کا زیر اختی احکام پولیس و حکام ضلع فیصلہ دیا کہ وہ قانون کے ماتحت قیام امن اور رفع فساد کے لئے قیود لگانے کے مجاز ہیں۔ انہوں نے ندراس کے تین مقدموں کی تقلید کی ہے (۵ مدراس ۲۰۳۲ مدراس ۲۶۱۲۰۳ مدراس ۲۳۵) مقدمہ ۶ مدراس ۲۰۳ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مجمع صاحبان نے پوری طور پر واضح کر دیا ہے کہ حکام اور پولیس کے احکامات قانون حقوق کے تحت اور ان کی بجا آوری کے لئے ہونے چاہئیں اور اس کے برعکس احکامات بوقت ضرورت جب انتظام نا کافی ہونا مذہب ہو سکتے ہیں۔ اس مقدمہ میں مجمع صاحبان نے صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ مجسٹریٹ کے احکامات شیعوں کے قانونی حق کی بجا آوری کی فراغت میں خاص ضرورت کے وقت ہی نافذ ہوں گے۔ اور ان کی منشا ان کے قانونی استحفاظ کے فیصلہ نہ کچھ جادیں گے۔ یہ مایلمہ کا اصل جھگڑا یہ ہے کہ تعزیروں کا لگانا اور ان پر



نوحہ دہا تم کرنا اور زیر بحث جلوس میں امام حسین کے قاتلوں پر لعن کہنا اسلام کے احکام کے خلاف ہے اور وہ سنیوں اور اسلام کے نام بھی فرقہ کے مذہبی احساسات کو مجروح کرتے ہیں اور اس وجہ سے شاہراہ عام پر ایسا فعل کرنا کی اجازت نہ دیکھائے۔ بیرونی کونسل کے جج صاحبان کا فیصلہ نہایت واضح طور پر اس کے خلاف ہے۔ جج صاحبان نے اس کی اجازت دی ہے اور ان کے نزدیک جائز ہے کہ شیعوں کو سنی مسجد کے سامنے نوحہ دہا تم کیا تو جلوس روکنے اور مسجد کے نزدیک شُرک پر مذہبی بدسوم ادا کرنا کیا حق حاصل ہے اور اس امر سے کہ مسجد میں سنیوں کی نماز اور عبادت میں مذکورہ بالا سے خلل ہوگا شیعوں کے حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس قسم کے حقوق جیسا کہ شیعوں کو طلب کرتے ہیں نہ تو کوئی جرم ہے اور نہ کوئی سلیک یا پیرا میوٹ ایذا رسانی ہے۔ اس کو بھی مستند عدالت نے طے کر دیا ہے۔ ہماری انریسل بلٹیکورٹ کی ایک میخ کا نظریہ ایک مقدمہ میں جو کہ ۲۰ الہ آباد ادا میں شائع ہوا ہے حسب ذیل ہے "جہاں پر یہ سوال جس میں جائداد کے معمولی حقوق وابستہ ہیں ہمارے سامنے آتا ہے تو قبل اس کے کہ ہم ان حقوق کو توڑیں ہم کو کچھ اصول یا قانونی قواعد تلاش کرنے چاہئیں جو کہ ایسے قانون کی زیر حمایت ہوں جن کے ذریعہ سے ان حقوق پر لوگوں کی خواہشات اور احساسات کو ترجیح دی جائے اور وہ فعل جو کہ ایک گروہ کے احساسات کو مجروح کرتے ہیں ضروری نہیں کہ کہ سلیک کے لئے ایذا رسانی سمجھے جائیں" دوسرے مقام پر جج صاحبان اسی کیس میں تحریر فرماتی ہیں کہ یہ شخص کا قانونی حق ہے کہ وہ اپنی جائداد کو جیسا مناسب خیال کرے استعمال کر سکتا ہے بشرطیکہ ایسا کر نہیں دوسروں کو واقعی طور پر نقصان نہ پہنچائے یا قانون کے خلاف نہ کرے اگرچہ ایسا کرنے سے دوسروں کے احساسات مجروح ہوں"۔

یہ واضح ہو جائیگا کہ جج صاحبان نے دوسروں کے احساسات کو مجروح کرنے اور واقعی قانونی نقصان پہنچانے کا فرق صاف طور سے ظاہر کر دیا ہے۔ جج صاحبان نے صاف طور پر بتلا دیا ہے کہ اگر ایک شخص کو کسی کام کو کرنا قانونی حق ہے تو وہ اسکو کر سکتا ہے۔ خواہ اس سے دوسروں کے احساسات مجروح ہوں۔ اگر ایسا کرنے سے دوسروں کو واقعی قانونی تکلیف



ہوتی ہے تو وہ اس حال کو نہیں کر سکتی یہ گاؤں گشتی کا ایک مقدمہ تھا اور ہندوؤں نے  
 اس مقدمہ میں اعتراض کیا تھا کہ گاؤں گشتی کے خیال سے ہی ہندوؤں کے دلوں میں اس فعل  
 کے خلاف ہزیمت سخت جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ وجہ سے گاؤں گشتی کی ہزیمت مسئلہ کو ترقی پاتے  
 ہوئے اور اس کا خیال کہنا چاہئے کہ منوی کے زمانہ سے اب تک ہندو مذہب اور اس کے اصول  
 اور تعلیمات میں گائے کی زندگی اور برہمن جو کہ انسانیت کو بہترین مہتمم ہے ایک میں رہ چکے ہیں ہندو  
 قانون کے مطابق گائے اور برہمن کی جان لینے کے جرم کی سزا سزائے موت ہے اور ہندو  
 قانون کے مطابق ایسے مجرم اور گنہگار بھی نہیں بخشے جائیں گے۔ آگے بیکر دیکھا ہی خیال کرنا  
 پڑتا ہے کہ ہندو مذہب کو یہ اصول ناممکن ملک کے نزاع کے ہر وہابی اعلیٰ اصول پر  
 مبنی ہے اور اب بھی موجود ہندوستانی ماہران اقتصادیات کے نزدیک اس ملک کی تمام  
 عزت اور فلاحیت گایوں کی اعلیٰ نسل سے بہت کچھ دور ہو سکتی ہے یہ وزارت زندگی کا  
 ایک نام بابت ہے کہ گاؤں گشتی کے مسئلہ میں مام طور سے ہندو کسی بات پر رضامند نہیں ہوتا کیونکہ  
 اس کا دل ان روایتی احساسات کا حامل ہے جو کہ قدیم زمانہ سے اس ملک پر چسپ ہے۔  
 اس اہم مذہبی اعتراض اور ہندوؤں کی ضد صانعہ التجاؤں کے بعد بھی بھارتی انڈینل ہائی کورٹ  
 مسلمانوں کے قانونی حقوق کے اجراء میں مسرور رہی اور یہی ہے جو تکی صاحبان نے ۱۹۴۷ء  
 میں کیا ہے اور ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے اس طرح کے مقدمہ میں اسی اصول کی  
 تفسیر کی گئی ہے ایک دوسرے ڈویژن میں جس میں ۱۹۳۰ء کے آباد کے صفحہ ۵۷  
 میں چھاپا ہے جسٹس آنریبل سرسلیمان اور تھوٹرل جسٹس سین صاحبان نے حسب ذیل  
 تحریر کیا ہے۔ اگر گائے کی قربانیاں ہندوؤں کے لئے انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے  
 دل آزار ہیں تو یہ فعل پبلک کی ایج اسالی کے خیال سے نہیں روکا جاسکتا کیونکہ قانون  
 میں ذکی انجس لوگوں کی گنجائش نہیں ہے۔ بالکل اس طرح کے ایک دوسرے مقدمہ میں آنریبل  
 جسٹس سلیمان اور تھوٹرل جسٹس سنگ صاحبان تحریر کرتے ہیں کہ ہندوؤں کو اپنا مذہبی اور  
 مذہبی جلوں تمام گلیوں اور شاہراہ عام پر اجا سکتا ہے اور مذہبی رسوم ادا کرتے ہوئے  
 ایمانیکا حق حاصل ہے اور مسجد کے قریب سے گزر سکتے ہیں۔ اور مسجد کے مسلمانوں کو نہیں



جلوس کے اس بنا پر رد کرنے کی التجا کرنا کوئی حق نہیں ہے کہ اس سے ان کی مذہبی عبادت  
 میں فعل پڑتا ہے۔ اس مقدمہ میں بیچ صاحبان کی حسب ذیل رائے ہے۔ مسجیدوں یا مندروں  
 میں جو کہ شاہراہ کے نزدیک ہیں عبادت کرنے والوں کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ صاحبان  
 جلوس کو پوری طور پر جیکہ وہ مسجد یا مندر سے گزر رہے ہوں پوری طور پر باجانبہ کرنے  
 کیلئے اس بنیاد پر نہیں چھوڑ کر سکتے کہ اس کے اندر مسلسل عبادت ہو رہی ہے خواہ باجانبہ  
 مذہبی ہو یا غیر مذہبی اس بنا پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ دوسرے فرقہ کے مذہبی احیاء  
 کو جبروح کرتا ہے۔ باجانبہ کے بند کرنے سے صاحبان جلوس کی انی ہی لازاری ہوئی جو  
 جتنی کہ اس کے بجٹے رہنے سے دوسرے فرقہ کی ہوئی ہے۔ بیرونہ پورے طور سے  
 باجانبہ کو بند کرنے پر زور دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس فیصلہ میں دوسرے مقام پر  
 بیچ صاحبان تحریر کرتے ہیں کہ ہم باجانبہ خواہ وہ کتنے ہی خراب کیوں ہوں نہ تو وہ ہلک  
 کیلئے ایذا رساں ہو سکتے ہیں اور نہ کسی کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں خواہ ان سے شرک کے  
 متصل ممکن میں رہنے والے لوگوں کو تکلیف پہنچنے والے ملکر انہوں نے تحریر کیا ہے  
 کہ جلوس کا باجانبہ کے ساتھ ٹکنا خواہ وہ باجانبہ عبادت کا مذہبی خرو ہو یا نہ ہو اس فرقہ کا قانونی  
 حق ہے لیکن شاہراہ عام کو بالکل عبادت کے لئے محفوظ نہیں کر سکتے۔ ہر مذہب کو اور  
 کو حق حاصل ہے کہ وہ مذہبی جلوس شاہراہ عام پر لکاپس بشرطیکہ وہ ہلک کے دوسرے  
 افراد سے ایسی شرکوں کے استعمال میں مزاحم نہ ہوں۔ اس مقدمہ میں مدعا علیہم نے مذہبی  
 ظاہر کیا ہے کہ کوئی شہادت اس امر کی دی ہے کہ مدعیان کے جلوس اور باجانبہ اور بعض سے  
 یا ہلک اور تاشے سے مدعا علیہم یا ہلک کے دوسرے افراد کو اس گلی کے عام استعمال  
 میں مزاحمت ہوتی ہے۔ انکا اعتراض صرف یہ ہے کہ یہ تمام اسلام کے خلاف ہے اور یہ سب  
 چیزیں سنی اور اصبان جوینور کے مذہبی احساسات اور جذبات کو محروم کر کے ہیں جیسا  
 کہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے۔ بیچ صاحبان کے نزدیک ایسے اعتراض بے بنیاد ہیں جو ہلک  
 کے عام قانونی حقوق رمایا یا کسی طبقہ کے حقوق کے خلاف ہوں۔ میں اس کو بھی ظاہر  
 کرتا ہوں کہ اس مقدمہ کے واقعات اور شہادتوں کی بنیاد پر مدعا علیہم کا مذہبی اور جذباتی



اقرض ہی بے بنیاد ہے۔ بیچ و شیرن کے ایک دوسرے مقدمہ میں جو الہ آباد لاہور جیل صفحہ  
 ۶۲ سنہ ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا تھا آنریبل جسٹس مکرجی اور آنریبل جسٹس منیٹ کی یہی رائے  
 ہے۔ اس رپورٹ کے صفحہ ۶۳۸ میں آنریبل مکرجی تحریر فرماتے ہیں کہ قانونی عدالت میں فیصلہ  
 کا معیار صرف قانونی حقوق ہی ہونا چاہئے اور کسی طور پر محض بادشاہ سلامت کی مایا کے  
 کسی گروہ کے احساسات کو ملحوظ نہیں رکھنا چاہئے۔ جج صاحبان تحریر کرتے ہیں کہ ہر  
 شہری کو حق حاصل ہے کہ وہ جس طریقہ سے چاہے عبادت کرے یا علوس نکالے بشرطیکہ  
 ایسا کرنے سے دوسروں کے قانونی حقوق اثر پذیر نہ ہوں۔ آگے چلکر جج صاحبان یہی  
 تجویز میں صفحہ ۶۴۹ میں کہتے ہیں کہ ہر اس فعل یا افعال سے مزاحمت ہو سکتی ہے  
 جو کہ کسی خاص شخص یا پبلک کی نسبت جرم ہو۔ پبلک نیوشن *Public Nuisance*  
 کی تعریف دفعہ ۲۶۸ تفسیرات ہند میں تحریر ہے اور جج صاحب لے اس دفعہ کی نہایت مختصراً  
 تشریح کے بعد تحریر کیا ہے کہ ایسے افعال جنکی بابت کسی اس مقدمہ میں شاکی میں اس دفعہ  
 کی رو سے پبلک نیوشن کے جرم میں شمار نہیں ہوتے۔ اس صفحہ پر آگے چلکر جج صاحب  
 کی رائے ہے کہ زیادہ سے زیادہ جو کہا جاسکتا ہے یہ ہے کہ مدعا علیہم کا کوئی فعل یا افعال  
 ان لوگوں کیلئے تکلیف دہ ہو سکتے ہیں جو کہ مسجد میں مسلمانوں کی نماز کی وقت موجود ہوتے  
 ہیں۔ لیکن اگر ہم اس دفعہ (۲۶۸) تفسیرات ہند کو دیکھیں اور غور سے پڑھیں تو ہم کو  
 معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایذا رسانی جس کے مقصد کی طرف وہ سیکشن اشارہ کرتا ہے  
 اس قسم کی ایذا رسانی نہیں ہے جس سے رمایا کے کسی گروہ کے مذہبی خیالات پبلک کی  
 دوسری جماعت کے بے گناہ فعل سے مجروح ہوں اسوجہ سے جج صاحبان نے مقدمہ و مقامات  
 کا اثر بیان پر رائے قائم کی ہے کہ رمایا کی کسی جماعت کی دلازاری جو کہ جذباتی بنیاد پر  
 ہو وہ قانونی دلازاری نہیں ہو سکتی۔ جس سے دفعہ ۲۶۸ تفسیرات ہند میں مراد ہے۔ ایسے  
 تمام فیصلوں کا خاص اصول یہ قانون ہے کہ ہر آدمی اپنی جاہل و سے اپنی خواہشات کے مطابق  
 قائم اٹھانیکا حق حاصل ہے بشرطیکہ ایسا کر نہیں دوسروں کے قانونی حقوق پر اثر انداز نہ ہو



اس اصول کی وسعت صحیح اور حدود عیساکہ اس ملک میں رائج ہے مقدمہ مذکورہ بالا میں کافی طور پر ظاہر کر دی گئی ہے۔ اس تمام قانون کی مدراس ہائی کورٹ کے تین مقدموں (۵ مدراس ۱۹۰۳ اور ۲۶ مدراس ۱۹۰۶) میں پوری طور پر بحث کر دی گئی ہے۔ پریوی کونسل کے جج صاحبان نے ان مقدمات کے فیصلوں کو منظور کر دیا ہے۔ جو کہ ۲۳ الدابا دلا جرنل ۱۹۰۹ میں شائع ہوئے ہیں اور اوپر انکا حوالہ دیا جا چکا ہے اور جج صاحبان پریوی کونسل نے ایسی کیس کے ان مقدمات کے فیصلوں کو منسوخ کر دیا ہے جیسے کہ ان کے برعکس رائے قائم کر دی گئی تھی۔ مدراس کے مقدمات جسکا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے اس مقدمہ میں مدعیان کے معاون ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہو گا کہ ملک کے قانون کے بموجب جیسا کہ رائج ہے مدعیان کو اعتراض قائم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اگرچہ مدعیان کا فعل سینوں یا ماصیوں کے اساسات اور جذبات بحریہ کرے خواہ اس سے ان کی کوئی مذہبی دل آزاری بھی نہیں نہ ہو۔

ان تمام فیصلوں کے بعد اور کچھ کہنا اس بارہ میں بہت زیادہ ہو گا کہ رعایا کا کوئی طبقہ شاہراہ عام کو اپنے مذہبی یا ملی جلوس باجے اور گمانے اور دوسرے رسومات مذہبی یا ملی کے ساتھ جیسا کہ مذہبی نے اس مقدمہ میں طلب کئے ہیں استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ پبلک کام ہر راستہ یا شاہراہ عام ایسے استعمال کرنے والے کو دفعہ کر دی گئی ہے اور بہت سے مقدمات جسکا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے اس سے یہ مطلب پوری طور پر صاف ہو جاتا ہے کہ پبلک کام ہر طبقہ شاہراہ عام یا سرکاری سڑک کو ان مقاصد کے لئے جن کو مدعیان نے اس مقدمہ میں طلب کیا ہے قانوناً استعمال کر سکتا ہے۔ چونکہ ملک کے قانون کی گنجائش اور اس کے قانون صحیح مقصد پر جیسا کہ اس مقصد میں قانونی نکات پر اب حاصل ہوئی ہیں بہت سخت بحث ہو چکی ہے جس میں اس قانون کا خلاصہ جیسا کہ حکام بالا کے فیصل شدہ مقدمات سے حاصل ہوا ہے درج کرنا ہوں جسکی میں اس مقصد کے فیصل کرنے میں تقلید کرونگا۔

۱۱ پبلک کے ہر طبقہ کو اختیار ہے کہ وہ ہر گلی یا شاہراہ عام سے مذہبی یا ملی جلوس مولیے مذہبی یا غیر مذہبی اعمال یا نشانات کیساتھ جیسا ضروری خیال کریں اور ایسے باجوں اور



اور گانوں یا تقریروں کے ساتھ جیسا کہ وہ اپنے مقصد کے موافق مناسب خیال کریں گے  
 جاسکتے ہیں (۲۳)۔ ان آباد لاہور ۱۹۹۱ء صفر ۱۴۱۲ھ ۱۹۳۱ء ۱۲۲۲ھ ۱۹۳۱ء  
 آباد لاہور ۲۵۲ صفر ۱۴۱۲ھ۔

(۲) پبلک کے کسی دوسرے طبقہ کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ایسے جلسوں کے اٹکانے یا مذہبی یا  
 دوسرے اعمال یا دوسرے رسومات یا گونے بجانے یا نظم خوانی یا تقریروں پر جو کہ اس میں کسی  
 جانب سے صرف اس بنا پر اعتراض کرے کہ اس سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے یا مذہبی احساسات  
 مجروح ہوتے ہیں۔ پبلک کے دوسرے طبقہ کے اس قسم کے اعتراضات اس وقت قابل توجہ ہو سکتے  
 ہیں جبکہ یہ جلسوں اور مذہبی اعمال یا گانے یا تقریریں پبلک نو سمنس یا دوسرے وفعات  
 پر ہو جو کہ ملک میں رائج ہیں ان کی حد تک پہنچنے یا پبلک کے دوسرے طبقہ سے قانونی اور  
 حقیقی حقوق کو شکست کریں۔ (۲۳)۔ آباد لاہور ۶۲۲ صفر ۱۴۱۲ھ ۱۳۰۰ء آباد۔ ۱۸۱۔ د  
 ۱۹۳۱ء آباد لاہور ۶۲۲ صفر ۱۴۱۲ھ ۶۳۰ لغاتہ (۶۳۱) و اقلیائی نتیجہ جو کہ اس قانونی مسئلہ کے آخری  
 حصہ سے پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ شیعوں کے افعال جیسے متعلق و ما علیہم نے اس مقدمہ میں  
 اعتراض کیا ہے (۱) وہ (پبلک نو سمنس) کے جرم یا دوسرے جرم کی حد تک پہنچتے ہیں یا نہیں  
 اور ان سے و ما علیہم کے حقیقی حقوق شکست ہوتے ہیں یا نہیں۔ قانون فوجداری کی متعلق  
 دہشت میں جو کسی ملکن جرم کے واسطے کسی متقول دلیل کے ساتھ لالی جاسکتی ہے۔ وہ  
 و میان کے افعال زیر وفعات ۱۵۲۲۶ الف ۲۹۵ الف اور ۲۹۶ تقریرات ہند میں  
 قبل اس کے کہ میں ان وفعات کے حقوق کی تشریح کروں اور مقدمہ میں ان کے چسپاں  
 کر سکی ہو شش کروں یہ ضروری ہے کہ میں تحریری شہادتوں کے واقعات سے یہ ظاہر کروں  
 کہ شیعوں کے ان افعال کی جن پر و ما علیہم نے اعتراض کیا ہے واقعی حقیقت کیا ہے  
 عملی طور پر و ما علیہم اس بات پر مستحق نہیں ہوئے کہ و میان کو اپنے جلسوں زیر بحث منہ  
 ماتم توجہ دلیل تاشہ نکالنے کا حق نہیں ہے بلکہ جس امر پر کہ وہ واقعی مستحق ہوتے ہیں وہ  
 شیعوں کا قانون حسین پر یا پچھلے تین حلیفوں پر تبرا کہنا ہے اور میرے نزدیک اس  
 مقدمہ میں ہی ایک اہم اور اصلی پوائنٹ قابل فیصلہ ہے۔ اور اس بات سے انکار نہیں کیا



جاسکتا کہ یہ مسئلہ خالی از وقت نہیں ہے۔  
 میں نے اسلام کی ترقی کی ابتدائی تاریخ بیان کر دی ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ کین تاریخی اٹھا  
 کے ماتحت مشیخہ اور سنی یا مابین کے درمیان تواریخی بنیادی اختلافات ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوگا  
 کہ شیعوں کا پختہ اعتقاد ہے کہ پہلے تین خلیفہ ابوبکر، عمر و عثمان تحت خلافت کے سرکاری مامور تھے  
 اور موزوں شخص حضرت علی تھے اور یہ ان کا اصلی اعتقاد ہے کہ یہ پہلے تین خلیفہ حضرت علی اور ان  
 کے لڑکوں کے اور اہلبیت کے دشمن تھے اور ان کی پالیسی اپنے زمانہ حکومت میں بہت  
 بڑی جنگ اہلبیت کی تباہی و حضرت علی کی شہادت اور حادثہ کربلا کا باعث تھی۔ اسوجہ سے وہ اس  
 پختہ اعتقاد کی وجہ سے ان پہلے تین خلیفوں کو ان کے سرغنہ دشمن سمجھ کر ان پر لعنت بھیجتے اور ان  
 پر نفرین کرتے ہیں اسوجہ سے وہ ان خلیفوں پر تبرکات بھیجتے ہیں۔ تاریخ اسلام کا یہ واقعہ مسلمہ ہے  
 کہ امام حسین کی شخصیت جاذب ترین تھی اور اعتقاد اسلامی کے سب سے بڑے ہیرو تھے  
 مگر ہئے کہ وہ ایک بڑے پالیٹیشنر سیاست دان (یا دوراندیش اور مدبر نہ ہوں مگر  
 ہے کہ انہوں نے غلط فیصلہ کیا ہوا ان میں دوراندیشی کی کمی ہو۔ جیسا کہ فرانسیسی مورخ مولین  
 ایچ لیمنس نے لکھا ہے یا ممکن ہے کہ وہ بہت ہی سیدھے سادھے اور سادہ دل ہوں  
 جیسا کہ دوسرے مورخین نے بیان کیا ہے لیکن اس امر کا کہ وہ مسلم تاریخ کے غالب ترین ہیرو  
 اور سب سے بڑے ہیرو تھے کسی سے بھی انکار نہیں ہو سکا ہے۔ وہ نبی کے نواسے تھے  
 جن سے کہ رسول اللہ بہت محبت کرتے تھے اور وہ نبی کے تنہا وارث تھے۔ وہ ان حالات  
 کے ماتحت قتل کئے گئے کہ ان سے سخت ترین دل بھی ان خوفناک واقعات کے اُسنے سے  
 رنج و غم سے پھیل جاتا ہے اور وہ واقعات کے بلا کے نام سے موسوم ہیں۔ شیعوں کے اصلی  
 اعتقادات میں سے ایک یہ ہے کہ امام حسین، اپنے باپ علی یا اپنے بھائی حسن کی جانشینی  
 کے لئے جائز خلیفہ تھے اور معاد یہ سرکاری نمائندہ تھے اور ان کے لڑکے زید کی تحت نشینی ایک  
 کھلی ہوئی نا انصافی تھی جو کہ معادیہ نے اور ان کے ساتھیوں نے اسلام اور اہلبیت کیساتھ  
 کی اس میں سے شیعوں کے بہت سے اعتقادات مستند تاریکوں پر جیسا کہ اوپر تحریر کیا ہے  
 قائم رہیں۔ اس کے بارے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ بھاویہ اس ابوسفیان کے بیٹے



تھے جو محمد اور ان کے دین کے مخالف رہے اور انہوں نے پالیسی اور کشیدہ دلی سے  
 بنی کا مذہب قبول کیا اور اس کو بعد میں کھلم کھلا چھوڑ دیا۔  
 معاویہ اور یزید دونوں کے کارنامے مستند تاریخوں میں بالکل سیاہ ہیں اور قاتلان حسین  
 وحشی قسم کے سنگدل اجوسے راستے رکرایہ کے آدمی (معاویہ وہ آدمی تھے جنہوں نے خلیفہ اول  
 حضرت ابو بکر کے لڑکے کو گدھے کی کھال میں بھر کر زندہ جلوا دیا اور وہ شخص تھے جس نے عایشہ  
 کو اپنے پاس ہوت کے لئے دھوکے سے بلایا اور ان کو ایک حسن و عاشاک سے دھکے ہوئے گدھے  
 پر بٹھلایا اور ان کو اس میں گروا کر مروا ڈالا۔ صرف اس معمولی بنا پر کہ انہوں نے یزید کی منصفانہ  
 نامزدگی کی مخالفت کی تھی بہر حال تعین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس اعتقاد کے لئے کافی توارکمی  
 مواد موجود ہے کہ معاویہ یزید اور قاتلان حسین بہترین انسان تھے اور شیعوں کا اس قسم کا  
 اعتقاد جو گندشتہ کی حدیثوں سے رہا ہے غلط نہیں کہا جاسکتا ہے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ یزید امام  
 حسین کی پُر جفا شہادت کا ذمہ دار تھا۔ اور تینوں خلیفہ ان کے واقعات کے اجداد کی اور مقصود  
 کرتا دھرتا تھے۔ شیعہ تقریبات کے جلوس کو نوحہ و ماتم کے ساتھ ہندوستان اور ایران میں کم  
 سے کم سوہو میں ہمدی عیسوی سے لگاتے رہے ہیں۔ گولڈن ڈیڈ رآف امام حسین صفحہ ۱۷۰۔  
 یہ ایک تاریخ کا سوال ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور ہم میں سے جو سب سے  
 بوڑھے ہیں ان کے لئے یہ معاملہ عام شاہدہ اور عام واقفیت کا ہے کہ ہم اپنے بچپن سے  
 ان تقریبات کے جلوس کو اور شیعوں کو نوحہ و ماتم کرتے دیکھتے چلے آتے ہیں۔ تقریباً طلباء  
 مسیحی کے مقبرے کی شیعہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ نوحہ و ماتم میں مرثیے پڑھے جاتے  
 ہیں جن میں کہ دل دکھانیوالے واقعات اور حسرت ناک سوانح کہیں طرح حسین اور ان کی  
 ۷۲ رفا کے ساتھ یزید کی اتنی بڑی فوج پیش آئی مندرجہ رہتے ہیں اور وہ برہنہ سر  
 اور برہنہ پا اپنے پیشوا کے انجام پر انتہائی غم میں سینہ پیٹتے ہوئے جلوس کے ہمراہ چلتے ہیں  
 کیا ہم میں سب سے زیادہ مسکمی آدمی یہ کہنے کی بہت کر سکتا ہے کہ شیعہ یہ سب صرف نمائش  
 یا تماشہ یا سنیوں اور ناصبوں کے جذبات مجروح کرنے کے لئے یا ان کی ایذا رسانی



کے لئے کرتے چلے آئے ہیں۔ کوئی آدمی اگر کا مطلب یہ نہیں سمجھ سکتا جبکہ وہ اپنا حلوں مختلف علم اور رسومات کے ساتھ لچکا سکتے ہیں تو روتے جاتے ہیں اور وہ اپنی تاریخ کے اس حصہ کی تفصیلی واقعات اور وجوہات بیان کر دیتے جاتے ہیں۔ ان سب کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قاتلان حسین پر اور ان لوگوں پر جو اس واقعہ کے بانی تھے لعنت و نفرین کرتے ہیں۔ جبکہ امام حسین کی شہادت کی رسومات پورے انہماک کے ساتھ منائی جاتیں ہوں تو ان لوگوں پر لعنت کا کہنا اور کا نہیں جاسکتا۔ اس ڈرامہ کی تصویر کبھی پوری ہی نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ واقعہ کا یہ حصہ بھی اپنی پوری وضاحت کیساتھ مناسب طور پر ظاہر نہ کیا جائے۔ آپ امام حسین کی شہادت جلا اس امر کا اظہار کئے ہوئے کیسے بنا سکتے ہیں کہ کون لوگ یہ جنہوں نے ان کو شہید کیا اور وہ لوگ کس قسم کے تھے اور کیا وہ قابلِ نفرین ہیں یا نہیں۔ اس وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ شیعوں کا قاتلان حسین پر یا پہلے تین خلفاء پر نفرین کرنا اور لعنت بھیجنا ان کے پختہ ایمان اور اعتقاد کے بموجب ہے جو کہ صدیوں سے رسومات اور ان کی منہلی کارروائی پر مبنی ہے۔ لعنت کہنا سوائے اس اظہار کے اور کچھ نہیں ہے کہ خدا کی رحمت ان لوگوں سے منقطع ہو جائے اور خدا نے قادر سے یہ اپیل کر لے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ وہ ان کو مناسب سزا دے۔ قاتلان حسین اور تینوں خلفاء اب زندہ نہیں ہیں تو پھر سوا اس کے اور کوئی ممکن صورت ہو سکتی ہے جس سے شیعہ امن و امان کے ساتھ اس تاریخی نا انصافیوں کا بدلہ لیں جو ان کے بارے میں اور ان کے پیشواؤں کے بارے میں ہوئیں کہ وہ مسکینی اور انکساری سے قادرِ مطلق کے جناب میں اس سے بروز قیامت مناسب انصاف کر نیکی اپیل کریں۔ یہ پائٹل کہ آیا کوئی شخص جو خدا نے قادر سے ایسی اپیل کر نیکی پسند نہیں کرتا شیعوں کو ان قانونی حقوق سے روک سکتا ہے جو کہ ان کو حاصل ہیں اور اوپر مستند عواوہ سے بیان کئے جا چکے ہیں۔ میں ایسی رائے کو قائم کرنے کے لئے رضا مند نہیں ہوں۔ خدا سے انقطاع رحمت کی دعا کرنا واقعی سزا دینے کے برابر نہیں ہوتا۔ تو ناممکن ہے کہ یقین کر لیا جائے کہ خدا شیعوں کی اس دعا کو قبول ہی کر لیا یا خود رسول خدا سے بروز قیامت اپنی



شہادت سے محروم کر دیں گے۔ اس لئے میں اس خیالی رد کے پیچھے یاد مانوں پر سنیوں یا انہما  
کا کوئی مذہبی اقرار من کسی معقول دلیل پر نہیں آتا، جہاں تک کہ سنیوں کا تعلق بہت سنیوں کے ان  
اقوال کے متعلق ان کے اقرازمات ضابطہ تحریر میں آیا، اور میں نے ان کی تفصیل اس جوئے  
کے دوسرے صفحہ پر مسند دار کی ہے۔ ان پوائنٹس کو یکے بعد دیگرے دیتا ہوں :

۱۔ سنیوں کا پہلا اقرار من یہ ہے کہ شیوخ حیب جلوس لیا کرتے ہیں وہ پہلے تین خلیفوں پر اکہستہ  
سے محنت کہتے ہیں یہ بخلاف قانون ہے اور ان کو ایسا کرنے کی اجازت نہ ملنی چاہئے ۔  
۲۔ ما علیہم کہتے ہیں کہ شیوخ اس طریق سے ایسا کہتے ہیں اور اس کی عمل کی آواز سے پر وہ ہونے  
کرتے ہیں اور تمام راستے میں لوگوں (بیرونی دنیا) سے کہتے ہیں کہ وہ قاتلان حسین پر محنت  
کرتے ہیں ۔ یہ سنیوں کا بیان ہے کہ تینوں خلیفوں پر شیوخوں کا ایسا من بیرونی پبلک کو بہتر  
سنا یا جاتا، میرے خیال میں یہ قراض ہنایت ہی پر مذاق ہے۔ ہر ایک آدمی کو حق حاصل ہے  
کہ جو اس کے منہ میرا آئے کہے یا ایسی آواز میں جو وہ سبوں کو نہ سنائی دے جو جی چاہے کہے  
یہ پائنٹ اتنا سناں ہے کہ اس پر بحث کی ضرورت نہیں، اس کے علاوہ جیسا کہ اوپر بیان کیا  
گیا ہے کہ شیوخ کو خلفائے ثلاثہ پر نوبہ اپنے ایماندارانہ مذہبی اعتقاد کے جوہر (خلفاء ثلاثہ)  
کے خلاف ہے من و نفرت کرنا ہر حق حاصل ہے اور نہ ہی اس بنیاد پر اقرار من میں  
کر سکتے کہ اس سے ان کے مذہبی احساسات شروع ہوتے ہیں۔ اور اگر شیوخ خلفاء ثلاثہ شہر شام  
عام پر سلطنت سے من بھیجتے ہیں کہ وہ سنا جائے تو ان کو ایسا کرنے پر پورے طور پر مجاز ہے  
(۳) دوسرا یہ امر کہ قاتلوں میں سے کچھ لوگ حضرت یا رسول اللہ کے رشتہ دار تھے یا یہ کہ  
وہ مسلمان تھے کوئی وجہ نہیں کہ ان پر محنت نہ کی جائے۔ بشرطیکہ ان پر امام حسین کے قتل کے  
جرم کا یقین ہو۔ ابوسنیان اور معاویہ بھی خود رسول اللہ کے رشتہ دار تھے وہ عرب کے قبیلہ  
قریش سے تعلق رکھتے تھے اور رسول اللہ کے بہت سے کافر رشتہ دار تھے جو ابی حالت میں مر  
اور جنہوں نے اپنی تمام زندگی میں رسول کے دشمن اور مذہب کو برباد کر رکھی تھی الامکان کو پیش  
کی کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان پر محنت بھیجنا یا نفرت کرنا کو عرف رشتہ داری روک سکتی ہے ؟  
(۴) اس ضلع میں اہمیت کا وجود بہت مشتبہ ہے اور مجھے شبہ ہوتا ہے کہ سنیوں نے



ناصیوں کے وجود کا سوال صرف اسوجہ سے پیش کیا ہے کہ جہانگاہ سنیوں کا تعلق ہے ان  
 کے پاس قاتلان حسین پر لعنت بھجنے کی رکاوٹ کے لئے مذہبی اور قانونی دلائل نہیں ہیں  
 اس مقدمہ میں شیعہ خلفاء ثلاثہ پر لعن بھجنے کے (استحقاق) کے طعنی نہیں ہیں۔ اسوجہ سے  
 اس مقدمہ میں ان کے متعلق کوئی دگرہی نہیں دی جاسکتی۔ اور جہاں تک اسکی مخالفت کا  
 تعلق ہے سنی مفسرین ہیں۔ مدعا علیہم اپنے بیان تحریری میں بھی اس کا اظہار نہیں کرتے کہ جو پور  
 میں ایک فرقہ نامی ہے جو معاویہ اور یزید کو اپنا پیشوا مانتا ہے۔ وہ سرسری طور پر اشارہ کرتے ہیں  
 کہ جو پور میں ایک فرقہ یزید اور قاتلان حسین کو اپنا پیشوا مانتا ہے اور بدینوجہ اس سے نفرت  
 کا اندیشہ ہے۔ صرف ایک گواہ عبدالغفری پیش کیا گیا۔ جو کہتا ہے کہ وہ شیعہ نبی امیہ ہے وہ  
 کہتا ہے کہ اس فرقہ کے دشمن یعنی شیعہ ان کو نامی کہتے ہیں۔ اسکا بیان یہ ہے کہ وہ یزید کو  
 اپنا امام اور خلیفہ اور دوسرے قاتلان حسین یا یزید کے مددگاروں کو غازی مجاہد اور انصار کہتا  
 ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ان ساتوں آدمیوں میں سے جبکا ذکر دعویٰ کیا ہے کسی پر اگر لعنت  
 لگئی گئی تو اس کے فرقہ کے لوگوں کی یہی ناصیوں کے مذہبی خیالات بہت مجروح ہوں گے  
 اور اس سے جوش پیدا ہو گا۔ اس کا بیان ہے کہ جو پور میں اس کے فرقہ کے لوگ ایک ہزار  
 سے بیکراہہ سو تک ہیں۔ یہ ایک معمولی ملازم جو بیس روپیہ ماہوار ایک درہم سے پاتا ہے اور  
 چندہ وصول کر لیا کام کرتا ہے اور وہ سنیوں کے ایک قیمتی غلام میں بھی دس روپیہ ماہوار ملازم  
 تھا۔ اس نے کوئی مستحق حوالہ یا کتاب پیش نہیں کی جس سے اس کے اعتقاد اس کے کسی عقیدے  
 تحریر کے ہوں۔ مدعا علیہم کے کچھ گواہوں نے بھی جو پور میں ناصیوں کے وجود کا اظہار کیا ہے  
 اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل غور یہ امر ہے کہ تیس کے متعلق جو پور میں گزشتہ کئی  
 سال سے جگڑا چلا رہا ہے اور یہ کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی ناصی نے شیعوں کے تبرکے  
 پر اعتراض کیا ہو۔ یا حکام ضلع کے پاس شیعوں کے خلاف اس کے روکنے کی شکایت کی ہو۔  
 اب جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ مقدمہ کے دوران میں کچھ آدمیوں نے شیعہ یا نبی امیہ  
 شیعوں کے خلاف جھوٹا لکھنے اور قاتلان حسین کی مدح خوانی کیلئے استعرا حق کا دعویٰ دائر  
 کیا ہے صرف گزشتہ سال قبل (پیرایہ سال) عبدالغفری گواہ نے ایک اشتہار جو پہلی ہی مرتبہ چھپوایا



تھا جنہیں کہ جس قسم کے جلوس اجداد کرنا چاہتے تھے ان تمام باتوں سے مجھ کو یقین  
 ہو گیا کہ جو چند میں نے ماضیوں کے قیام کا دعویٰ اور انکا بڑے اور قاتلان حسین کو مذہبی پیشوائوں کا قاتل  
 نہیں بلکہ جو ان واقعات سے ماضیوں کے جوہر میں قیام یا ان کے اقداری اعتقاد کی نسبت  
 میری تجویز و مبالغہ کے خلاف ہوتی ہے۔ اس بات کو اگر مان لیا جائے کہ جوہر میں کوئی ایسا  
 فرق ہے اور ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ زید ان کا پیشوا تھا اور ہے اور قاتلان حسین پر لعنت  
 کہنے سے ان کی مذہبی جذبات مجروح ہوتے ہیں تو میری رائے میں قانون کے اصول کے مطابق  
 جو کہ اوپر بیان کئے جا چکے ہیں ان کے اس قسم کے اعترافات کو مبین کے قانونی حقوق  
 کے مقابلہ میں اجازت نہیں دی جاسکتی میں نے اس پائمنٹ پر مدعا علیہ کی شہادت خوب طور  
 سے پڑھی ہے۔ ان کی تمام شہادت یہ ہے کہ وہ ان کے قانونی حقوق کو بوجہ کر کے کیلئے انجام کی  
 ہے۔ ان افعال سے ان کی مذہبی احساسات اور جذبات مجروح ہوتے ہیں اور جوہر  
 اس میں یاد پر وہ چاہتے ہیں کہ مدعیان کے حقوق سے انکار کر دیا جائے اور انکا دعویٰ نہیں  
 ہے اور نہ کوئی شہادت ہے کہ مدعیان کے ان افعال سے ہم لوگوں کے کسی قانونی و جسمانی  
 استحقاق کا نقصان ہوتا ہے اور وہ اپنی کسی ایسی (قانونی و جسمانی) تکلیف کو نہ بیان کرتے ہیں  
 اور نہ ثابت کرتے ہیں جتنی تکلیف (حکومت قانون جانتا ہے اور جس کی حفاظت کے لئے قانون تیار  
 رہتا ہے) وہ جسمانی یا قانونی استحقاق کی ایذا رسانی ہے۔ یہ خیالی یا مذہبی حق نہیں ہے۔ میں نے  
 اوپر بیان کیا ہے کہ اس پائمنٹ پر مذکورہ بالا فیصلوں میں خاص طور سے اس امر پر زور دیا گیا ہے  
 اس لئے مدعا علیہ کا معاملہ اس پائمنٹ پر بھی فیصل ہوتا ہے۔  
 (۱۴) اچھا اور آخری اعتراض یہ ہے کہ قریہ داری بحیثیت مجبوری مع تمام رسومات باجوں اور ٹون  
 دھم کے مذہب اسلام کے اور مذہب شیوہ کے خلاف ہے اور اسوجہ سے بھی شیوہ اس دادر کی  
 کے مستحق نہیں صرف اس پوائمنٹ سے کہ مدعیان کے یہ افعال اسلام کے اور مذہب شیوہ کے  
 مستند مسائل کے خلاف ہیں اس سے بھی مدعا علیہ کو اعتراض کر سکتا کوئی حق نہیں ہوتا ہے  
 میں نے اوپر ظاہر کر دیا ہے کہ شیوہ کا عام طور سے ان امور پر جنگی خواہش کی گئی ہے نہایت برحق



اعتقاد ہے اور ان کو وہ اپنے مذہب کا جزو خیال کرتے ہیں۔ عدالت دیوانی کے فیصلہ کے مقصد کے لئے یہ کافی ہے کہ عیان کا ان پر ایسا سچا اعتقاد ہے۔ مجھے یہ فیصلہ نہیں کرنا ہر کہ آیا وہ اعتقاد صحیح ہے یا غلط اور یہ غیر ضروری ہے کہ آیا یہ اعتقاد اسلام یا مذہب شیعہ کے کچی اسپرٹ کے خلاف ہے یا نہیں۔ مقدمہ کا یہ حقیقہ ختم کرنے سے پہلے میں معقول مستند حوالہ تحریر کروں گا جس سے ہیکو لٹین ہو گیا کہ مذہبی پوائنٹ ڈی ری بحث پر شیعوں کا اعتقاد کافی مذہبی مواد پر قائم ہے جس سے ہم اقد کر سکتے ہیں کہ ان کا اعتقاد ان امور پر اصلی سچا اور ایماندارانہ ہے۔

امام رضاؑ نے فرمایا ہے کہ جو شخص شراب اور شطرنج کو دیکھ کر حسینؑ کو یاد کرے اور زیر اور اسکی اولاد پر محبت کرے تو خداوند عالم اس کے گناہوں کو معاف فرمائے گا خواہ اس کے گناہ اتنے ہی زیادہ ہوں جتنے کہ ستارے ہیں۔ (کنز العمال جلد نمبر ۱۸ ص ۱۸۱) ایک دوسری حدیث ابان شیب سے منقول ہے کہ جس میں یہ روایت کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص جنت میں جانا چاہے تو وہ قاتلان حسینؑ پر محبت کرے (وہی کتاب ص ۱۸۲) ایک دوسری حدیث ابو عبد اللہ سے اس میں ہے (وہی کتاب ص ۱۸۵) آگے چل کر مذکورہ ذیل ایسی مصنف سے ہیکو دستیاب ہوتا ہے پس رسالتاب نے فرمایا کہ قاتلان حسینؑ اور ان کے دوستوں اور مددگاروں کو بھی اور ان کو کو بھی جو کہ ان پر لعنت نہیں کرتے اپنی رحمت سے دور رکھے۔ مذکورہ ذیل شیعوں کی دوسری مستند کتاب میں مسند راجح ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ کو کر بلا میں سنان بن انس نے قتل کیا خدا اسکو اپنی رحمت سے دور رکھے۔ اور خدا اور رسولؐ اور امام پر اعتقاد بغیر ان کے دشمنوں سے تبرا کئے ہوئے پورا نہیں ہوتا۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ نبیؐ اور امام کے قاتل کافر ہیں اور ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اعتقادات شیخ صدوقؒ ایک دوسری حدیث مثیر الاحمران میں جعفر بن محمد بن عمار سے منقول ہے کہ جس میں تحریر ہے کہ جب رسولؐ کی بیماری بڑھ گئی تو نبیؐ نے امام حسینؑ کو پٹایا اور کہا کہ میرا زہر یہ ہے کوئی تعلق نہیں ہے خدا اس کی منفرت نہ کرے۔ خدا یا تو میرا زہر کو اپنی رحمت سے دور رکھے۔ رسولؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ان میں اور قاتلان حسینؑ بروز قیامت خدا کے سامنے موجود ہوں گے۔ دوسری حدیث حسب ذیل ہے



۵۴  
 خدایا! ان لوگوں نے جنہوں نے انکو حسین کو ہتھ کیا اور لوگوں کو جنہوں نے ایذا میں پہنچا  
 اور ان لوگوں نے جنہوں نے یہ سنا اور سیر فرما منہ ہونے اپنی رحمت سے دور رکھ اور العادۃ ص ۴۴  
 اور اسی کتاب میں صفحہ ۵۹۲ پر ایسی ہی دوسری حدیث اور بھی ہے اور ان تمام سے ظاہر ہو گا کہ زید اور  
 قاتلان حسین پرست بھیجی کی وہ حدیث ثابت کرتی ہیں جنکو مستند شیعہ علماء نے صحیح تسلیم کر لیا ہو  
 امام حسین پر گریز و زاری کے اور کوئی رذائیا جائز نہیں ہے (من لا یحضر الفقیہ) صفحہ ۱۷۹  
 بحار الانوار کے صفحہ ۴۰۰ میں امام علی رضا سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس میں کہ رسومات غرم  
 اور شہادت امام حسین پر گریز و زاری کی تائید کی گئی ہے جس کتاب کے جلد ۱۰ کے صفحہ ۱۷۲ میں  
 ایک حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جب امام حسین پیدا ہوئے تو یہ تجنی کو دیا گیا کہ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم اور اسرار سے کہا کہ وہ ان سے کچھ فرما دیں گے اور انہوں نے کہا کہ یہ تجنی کیا جادو کیا جی  
 کہا کہ خدا اس کے ہاتھ پر منت کرے نبی نے حسب ذیل کہا میں اپنے تجنی کے لئے روتا ہوں جنکو  
 کہ اسلام کے بانی اور نبی آئیہ کے کافر شیعہ کریں گے اور ہر زقیات میں ان کی شفاعت نہیں کروں گا  
 خداوند اب تو ان دونوں حسن اور حسین کو دوست رکھو اور ان کو دوست رکھو جو ان کو دوست رکھیں  
 اور تو ان کے دشمنوں پر لعنت کر خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ۔ ایک کتاب کشمیری بہ ذخیرۃ العادۃ ص ۴۴  
 ۶۲۵ پر گریز و زاری کر شیعہ کی اور ائمہ امام حسین میں سر و سینہ اور منہ پیٹنے کی اور بل اور اس کے متعلق باقر  
 کی اجازت دی گئی ہے من لا یحضر الفقیہ جلد اول صفحہ ۵ پر اس کے متعلق ایک دوسری سند  
 بھی ہے۔ دوسری حدیث روایت الفقیہ کے صفحہ ۹ پر ہے جس میں یہ تحریر ہے کہ حمزہ کی شہادت پر  
 نبی نے اپنی بیویوں کو ان کی سوت پر گریز و زاری کرنا حکم دیا اور جب آدھی رات کو ان کی آنکھ  
 کھلی اور عورتوں کے رونے کی آواز سنی تو فرمایا کہ خدا تم سے اور تمہاری اولاد سے رضا مند ہو  
 کتاب تذکرہ خواص الائمہ صفحہ ۱۵۴ پر یہ درج ہے کہ حسین شہید اسلام میں اور اسی کتاب کے  
 صفحہ ۱۶۳ پر ان امور کا نہایت مستحکم جواب ہے کہ زید بہت خراب آدمی تھا زید اور قاتلان  
 حسین مستحق لعن ہیں میں اسی سلسلہ میں رسول اللہ کی ایک مشہور حدیث کا ذکر کریں گے  
 کہ نبی نے املاں کیا تھا کہ جن لوگوں نے جنگ قسطنطنیہ میں حصہ لیا ہے بخش دے گئے ہیں  
 اور یہ کہا جاتا ہے کہ زید نے لڑائی میں حصہ لیا تھا اور اسوجہ سے اس پر لعنت بھیجا اسلام کے



اور احکام نبوی کے خلاف ہے۔ اس پر حضرت بیٹھے سے یہ مطلب ہے کہ وہ نہ بخشا جائے  
 کی کتاب کے صفحہ ۱۶۲ پر ایک روایت حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے جس میں تحریر ہے کہ نبی نے  
 فرمایا ہے کہ جو شخص اہل مدینہ کو نکالتا ہے یا اپنے خدا پر لعنت کرتا ہے اور خدا کی اور قسموں  
 کی اور انسانوں کی آسمان پر لعنت ہے۔ یہ روایت قیامت اسکا کوئی عمل قبول نہیں کیا جائیگا  
 اس کتاب کے مصنف نے اس روایت کی ساری حدیث اس امر کے متعلق تحریر کی ہے کہ جو اہل  
 مدینہ کو تکلیف پہنچا دے گا اور کہتا ہے وہ داخل جہنم ہوگا۔ قسطنطنیہ کی حدیث کے بارے  
 میں وہ کہتے ہیں کہ یہ ابو ایوب انصاری کے لئے ہے۔ یہ شیعوں کی بہت مستند کتاب ہے  
 اور مدینہ کے متعلق جو حدیثیں ہیں ان کو سب نے تسلیم کر لیا ہے کہ زید نے اہل مدینہ  
 کو تباہ و برباد کیا اسوبہ سے ان حدیثوں کے مطابق کہ رسول کے احکامات ملتے ہیں زید  
 ضرور داخل جہنم ہوگا۔ اگر شیعوں کا اعتقاد اس قسم کے اسناد کی مضبوطی کی وجہ  
 سے ہے جو کہ اس مقدمہ کا اصل موضوع ہے تو میرا خیال ہے کہ ان کا اعتقاد کافی  
 طور پر مستحکم ہے

دعویٰ ان کی شہادت۔ مدعیان نے کل پانچ گواہ پیش کئے ہیں (۱) عبد الغفور۔ وہ  
 بیان کرتے ہیں کہ میں مذہب کا پکڑا ہوا غلط ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے شیعہ اور سنی  
 دونوں کی کتابوں کو پڑھا ہے۔ انہوں نے شہادت دی ہے کہ مدعیان کا ہر فعل جو اس  
 مقدمہ زیر بحث میں ہے مذہب اسلام کے پورے مکمل اسناد پر ہے۔ انہوں نے صاف  
 طور پر صغیر پر کب دیا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے جو قاتلان حسین کو اچھا سمجھتا  
 سمجھتا ہو (۲) طالب حسین ایک بڑے زہید اور ہیا جو سات آٹھ سو پچیس تک کے مالکدار ہیں  
 وہ شیعہ ہیں اور پہلے گواہ کی تائید کرتے ہیں اور اپنی شہادت کے تیسرے صفحہ پر کہتے ہیں  
 کہ جو پور میں اس وقت تک شعیان بنی امیہ نہیں تھے۔ (۳) فضل علی یہ مذہب اسلام کے  
 عالم ہیں وہ بھی مدعیان کے ان امور کو جو اس مقدمہ میں ہیں ثابت کرتے ہیں (۴)  
 فصاحت حسین ہیں جو دو سو ستاسی روپیہ انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں وہ بھی مدعیان کو مطالبہ  
 کی تائید کرتے ہیں (۵) آخری گواہ ہیں یعنی مظفر حسین یہ مذہب شیعہ کے عالم ہیں اور اپنی



نے شیعوں کی مسئلہ کتابوں کے حوالہ سے مدعیان کے اعتقاد کو ثابت کیا ہے۔ یہ تمام گواہ  
 شیعہ میں جیسے کہ مدعا علیہم کے تمام گواہ سنی ہیں۔ مدعیان کی طرف کی زبانی شہادتیں  
 میں بڑے نزدیک مدعا علیہم کی زبانی شہادتوں سے زیادہ وزنی ہیں۔ عام طور سے  
 مدعیان کے گواہ جنہوں نے واقعات کے متعلق شہادت دی ہے بہتر حیثیت کے ہیں۔  
 مدعا علیہم کی شہادتیں۔ مدعا علیہم نے کل آٹھ گواہ پیش کئے ہیں (۱) محمد الیوسف  
 ایک سنی عالم ہیں وہ کہتے ہیں کہ سنی مذہب کے نزدیک کسی مخصوص آدمی کا نام لیکر سنت  
 بیعت نامہ پڑھنا ہے ان کو اقبال ہے کہ قاتلان حسین خراب آدمی تھے۔ یہ گواہ ایک معمولی  
 آدمی ہے جسکی تنخواہ ۲۸ روپیہ ماہوار ہے (۲) دوسرے سنی مولوی علی حسن ہیں وہ ہر  
 مقدمہ میں مدعا علیہم ہی ہیں وہ بھی ان واقعات کو بیان کرتے ہیں جو مدعا علیہم کے گواہ نے  
 بیان کیا ہے۔ بحیثیت مدعا علیہم کے ان کو اس مقدمہ کے نتائج سے بہت بڑی دلچسپی  
 ہے میرے نزدیک ان کے بیان کا کوئی یقین نہیں کیا جاسکتا (۳) دوسرا مدعا علیہم  
 جنہوں نے اس مقدمہ کے اصل واقعات پر کچھ نہیں کہا وہ صرف یہ کہنے کے لئے آئے  
 تھے کہ مدعیان کو ان کے خلاف کوئی بنائے خواصمت نہیں ہے۔ گواہ عدالت ۱۶ اس  
 مقدمہ کے تمام مدعا علیہم ہیں اور محض بنا خواصمت کے انکار کرنے کے لئے پیش کیے گئے  
 ہیں۔ گواہ ۱۷ علیم محمد حسین ایک سنی عالم ہیں وہ ان اعتقادات کی تفصیل دیتے ہیں  
 جو ایک سچے مسلمان کے ہونے چاہئیں وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جو پور میں نامی ہیں  
 راجہ سے ان کا بیان جو کچھ ہوا آسانی سے یقین نہیں کیا جاسکتا۔ آخری گواہ ۱۸  
 عبدالعزیز ہے جس نے نامی ہوٹیکا اقرار کیا ہے اور اس کے بارہ میں میں کافی کہہ چکا  
 ہوں۔ میں نے اس شہادت کو قدرے احتیاط کیا تھا تحریر کیا ہے کیونکہ اس قسم کی شہادتیں  
 جو فریقین مقدمہ نے اپنے اپنے اعتقادات کے بارے میں دی ہے اس مقدمہ کے مقدمہ  
 کے لئے زیادہ مفید نہیں ہیں۔ یہ عدالت یا دیوانی کی کوئی عدالت مذہب اسلام کی  
 حج نہیں ہو سکتی اور نہ یہ فیصلہ کر سکتی ہے کہ شیعوں کا اعتقاد یا سنیوں کا اعتقاد صحیح ہے



یا غلط۔ اور نہ اس مقدمہ کا فیصلہ اس امر پر مبنی ہے۔ قریقین نے اسلامی دنیا کی  
مستند کتابیں پیش کی ہیں کہ ان کے اعتقادات صحیح ہیں اور اس کے متعلق ان کے  
مخالفتین کے اعتقادات غلط ہیں۔ اس پوائنٹ پر فقہین کی شہادت کی اہمیت اس  
امر پر ہے کہ کیا شیعوں کا اعتقاد ایسے مذہبی جھوٹوں اور اس کے متعلق دوسرے وہ اسم جنس کا  
مقدمہ میں وہ استہراں لگاتے ہیں صحیح خیالات پر ہیں یا تباہی میں مصروف عالمیہم کے مذہبی  
عذبات کو ٹھہر دینے کی کوشش سے کئے جاتے ہیں۔ اگر مدعیان ہم کو اس کا اطمینان دلا تو  
جیسا انھوں نے اطمینان دلایا ہے کہ وہ اپنے اعتقادات کو زمانہ قدیم سے بجا لارہے  
ہیں اور وہ ان پر خمیہ اسناد کی بنا پر عامل رہے ہیں اور یہ کہ تعزیر اور لعن اور باجے رے  
بحث پختہ اعتقاد کی وجہ سے استعمال کئے جاتے ہیں تو اس وقت عدالت کو اس حق کی تصدیق  
کرنا پڑیگی اور استہراں دیا ہو گا خواہ ان کا اعتقاد کتابی غلط غلط عقل اور محقق ہو۔ اگر  
واقعات کو اس شکی میں دیکھا جائے تو فقہین مقدمہ نے اس حصہ پر غور و رد کیا ہے وہ کیا  
ہے۔ ایسی حالت کے ہوئے یہ کہنا ناممکن ہے کہ مدعیان ہر تہا اک باتیں ایہ ارسال کرنے  
کرتے ہیں یا تعزیرات ہند کے دفعات مذکورہ بالا کے ماتحت کسی حرم کا ارتکاب کرتے ہیں  
اس کے متعلق کہ آیا ایسا عقل و دل آزار ہو سکتا ہے یا نہیں اہل  
**قانونی نظام** جسٹس کر جی نے کافی طور پر قانونوں کے تحت پر ۱۹۳۲ء اور آباد  
لاہور ۱۹۴۴ء کے صفحات ۶۳۸ لغایت ۶۴۲ میں بحث کی ہے اور اسکا حوالہ دیا جا چکا کہ  
میں نے مذکورہ بالا ان دفعات تعزیرات ہند کی اختیاط سے تشریح کی ہے اور اس پوائنٹ  
پر قابل وثوق اسناد کا غور سے مطالعہ کیا ہے اور یہ دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ آیا اس  
مقدمہ کے مدعیان کا رویہ کسی طور پر ان دفعات کے ماتحت آ سکتا ہے یا نہیں اور میں اس  
نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس پوائنٹ پر مدعیان ہم کے موافق جو زیدنا ناممکن ہے جیسا کہ میں نے  
اوپر تحریر کیا ہے کہ وہ دفعات سے جس امر کا یقین کر لیا فرمیں ہے کہ شیعوں پر یہ تمام



کسی شخص کے مذہبی جذبات مخروغ کرنا نیت سے کرتے ہیں وہ سب اپنے ہیرو کی یادگار  
 مذکورہ کہنے کے لئے نوران کی شہادت مناسبت سے کرتے ہیں۔ اگر ایسا کر نہیں ایک گروہ کے  
 جذبات مخروغ ہوتے ہیں تو یہ ہندو شیعہوں کے افعال نفاذی کو روکنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتے  
 دفعہ ۱۵۲ الف کو نظر انداز کرتے ہوئے حاسدانہ نیت کیساتھ محمد اور دوسرے مذہبی  
 جذبات کو مخروغ کرنا تعزیرات ہند کی دفعات مذکورہ ۲۹۵ الف، اور ۲۹۸ کا اصل مقصد ہے  
 جوائنگ دفعہ ۱۵۳ الف تعزیرات ہند کا تعلق ہے ہم کو نوٹ کرنا ہے کہ وہ بیان جو اس میں  
 منسلک ہے کافی طور پر اصل دفعہ کا زور بن محاللات کے لئے کم کر دیتا ہے۔ جہاں پر کی تقریر  
 یا غور کسی دینی کی نیت کے ایسا ندری سے محفوظ کر لی جاتی ہیں (۱۹۲۷) ۶۷ مکتبہ لاہور  
 (۱۵۴۷) رسالہ رتھان کے کیس میں بھی جو کہ (۱۹۲۷) ۸۰-۸۱ پور ۵۵۲ میں شائع  
 ہوا تھا انریبل براڈ وے اور انریبل سکریٹری نے زیر دفعہ ۱۵۲ تعزیرات ہند محققوں کو یہ  
 غزم کو شرا دیتے ہوئے بھی ایسے موقعوں کو جہاں پر ایسا ندرانہ رائے کا اظہار نہ ہو بلکہ  
 نکلے باقی کے بارے میں بغیر کسی خواب نیت کے کیا جاتا ہے مستثنیٰ کر دیتا ہے وہ ایک ایسا مقدمہ تھا  
 جس میں ایک آرٹیکل سیر دوزخ کے مارنگار نے بہت بھروسے اور گندے طبعی کی زندگی پر اور  
 ان کی بی بیوں پر اور ان کے اصحاب پر سخت ترین خلاف تہذیب اور ناپاک الفاظ میں کئے تھے  
 وہ بیان کرتا ہے کہ نبی اور ان کی بی بیوں اور ان کے صحابی سب کے سب جہنم میں ہیں اور بہت  
 بڑا عذاب برداشت کر رہے ہیں۔ اس نے بہت ہی برا فروختہ طریقے سے اور گندی زبان میں بیان  
 کیا ہے کہ نبی اپنے تابعین کے صلح ہونیکے لئے بالکل موزوں نہ تھے۔ یہاں پر ایسا معاملہ نہیں ہے  
 وہ سب کچھ جو شیعہ کرتے ہیں یہ ہے کہ وہ اپنے ہیرو کے انجام پر روتے ہیں اور غم کی زیارتی میں  
 ان کے قاتلوں پر لعن کر رہے ہیں ایسے الفاظ میں کہ نریہ اور اس کے ساتھیوں پر منحوس کی  
 ہم مسیح کو ہیرو کیا۔ وہ خدا کی رحمت سے دور رہا اور اس کی رحمت سے اپنے سے کیا۔ یہ الفاظ  
 گندے ناپاک اس لاہور روٹنگ کے منشاء کے مطابق کہے جاسکتے ہیں۔ مجمع صاحبان نے



اس مقدمہ میں تحریر کیا ہے کہ جو برکام مقصد یا اسکے مقصد کا کوئی حصہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ ایک جذبات نفرت کو پیدا کرے اور اگر یہ اس کی نیت کا کوئی حصہ نہیں ہے تو بعض ماحول سے کہ وہی اور نفرت۔ کہ جذبات کے پیدا کرنے کا حجام تھا کافی ہے۔ جج صاحبان نے آگے چل کر ہماری اپنی ہائیکورٹ کے فل منچ کے سب ذیل مقولہ کو جو کہ مشہور و معروفوں کے مقدمہ کا تھا منسوخ کیا ہے۔

یہ مقدمہ ۱۹۲۸ء اور آباد ۶۴۹ میں شائع ہوا تھا۔ یہ مانا پڑا گیا کہ ایسے ملکوں میں جہاں مذہبی آزادی ہے وہاں مذہب کے مسئلہ سے اس کے آزادانہ اظہار کو نہیں اور مذہبی اعتقاد پر کڑی مبنی کرنے کے لئے ایک حد تک آزادی کا دیا جانا ضروری ہے۔ لیکن یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ جو مانا نام دلائل کے خلاف ہو گا کہ نکتہ چینی کی ایسی آزادی کو گندہ سے اور ناپاک الفاظ استعمال کرنے کے لئے بھی جاوے۔ لاہور ہائیکورٹ کی یہ بیخ ان نظریوں کو مسترد نہیں کرتی جو انریبل جسٹس نے مشہور رنگیلار سول کس میں قائم کئے تھے جو اس فیصلہ کے غور سے ہی دن قبل ہوا تھا اور

اور جسکی وجہ سے ملک میں کافی سنسنی پھیل گئی تھی۔ اور یہ مقدمہ ۱۹۲۶ء میں لاہور ۵۹۰ میں شائع ہوا ہے اور اس سے اس مقدمہ میں مدعیان کی کافی مدد ہوتی ہے۔ وچڑھوں کے مقدمہ کے فیصلہ میں جو کہ فل منچ نے کیا ہے اور جو اسے آئی۔ آر۔ ۱۹۲۸ء اور آباد ۶۴۰ میں شائع ہوا تھا اس میں جج صاحبان کی رائے تھی کہ کالی چرن شرما کی کتاب کی زبان بہت ہی فحش تھی اور اس کتاب میں مصنف نے بنی کو شرانگاری اور اہمہ پرستی۔ بت پرستی۔ عیاشی اور جہالت کا مجرم بنایا تھا۔ صفحہ ۱۶۵ اور اسکی تمام زبان بہت ناقابل دید۔ ناپاک۔ تلخ مشتمل کر نیوالی تھی اس مقدمہ میں جج صاحبان نے مصنف کے خلاف نہایت مناسب رائے قائم کی تھی۔

لیکن جب بھی دیپ سنگھ صاحب جج سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ بہر حال اس مقدمہ میں ملزم کے فوجداری سپروہو جانکی وجہ سے آنریبل جسٹس دلال نے تنہا نشست میں ملزم کو سزا دی کہ وہ وہاں پر جج صاحب موصوف نے آنریبل دیپ سنگھ صاحب کے اصول کو تسلیم نہیں کیا (۱۹۲۸ء۔ آر۔ ۱۰۰) اور آباد ۶۵۹۔ لیکن میں نے اوپر بتلادیا ہے کہ ان مقدموں



لازم کی زبان بہت بُری تھی اور انکی نسبت کو دوسری رائے ہونا دشوار تھا یہاں اس مقدمہ  
 میں ہر قسم کی کوئی بات نہیں ہے اس لئے میں اس نتیجہ پر نہیں آسکتا کہ دعیاں کا یہ فعل کوئی  
 جرم ہے یا اس سے ایسا رسائی کا جرم ہوتا ہے (علاوہ واقعات مذکورہ بالا کے) اس مقدمہ  
 کا ایک اور عام قانونی پہلو ہے جو کہ میں سلسلہ میں ظاہر کیا جانا مناسب ہو گا وہ یہ ہے دعیا  
 نے حقوق طلب کئے ہیں عام قانونی حقوق ہیں۔ میرے خیال میں وہ *C. R. Commission*  
 پر مبنی کئے جاسکتے ہیں۔ نے اپنی کانسلٹیٹوئل لاپٹے ایڈیشن کے صفحہ ۵۴۴ میں اس  
 مضمون پر بحث کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہر شہری کو پبلک سب سلیس پر جانیکا اور وہاں پر کسی موضوع  
 پر اپنی رائے کے اظہار کا عام قانونی حق حاصل ہے بشرطیکہ ایسا کریٹینس وہ خلاف قانون  
 نہ کرنا ہو۔ ہر انفرادی ہستی یا جماعت کو کسی موضوع پر رائے کے اظہار کرنا اور حق  
 مجلسی کا درامتی حق ہے۔ ہر فرد یا افراد کی جماعت کو حق حاصل ہے کہ شاہراہ عام پر آویں  
 جاویں کیونکہ وہ ابی مقصد کے لئے ہی ہیں لیکن شاہراہ عام پر آنے جانیے یہ مطلب نہیں ہے  
 کہ ان پر ہم خاموشی اختیار کر کے آویں جاویں ہر فرد بشر کو شرک پر بولنے کا اختیار ہے  
 جلوس ایک متحرک مجمع کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اس لئے ایسے جلوس کو وہ تمام حقوق  
 حاصل ہیں جو ایک فرد کو شاہراہ عام کے متعلق حاصل ہیں۔ ان سات مذکورہ بالا آدھیوں پر  
 دعیاں کا نسبت یہی بنا جو قتل امام حسین کے فوسہ داہیں آن کے تواریخی کا زمانوں پر اظہار رائے  
 کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اگر رائے کا یہ اظہار تبلیغی مقاصد کے لئے ہے یا مذہب کی بُرائی  
 کرنے کے لئے ہے یا کسی ہر کی شہادت منانے کے لئے ہے یا مذہبی رسومات کے طور پر  
 ادا کی جاتی ہے تو میرا خیال ہے کہ کوئی معقول اعتراض اس پر نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ اس  
 اظہار رائے سے پبلک کے کسی طبقہ کے مذہبی جذبات مجروح ہوں یا اس سے مذہبی دلاری  
 ہو اس لئے ان رد و نوز تنفیحات میں میری رائے دعیاں کے موافق ہوتی ہے۔

نتیجہ نمبر ۳۔ سکرٹری آن اسٹیشن فار انڈیا اس مقدمہ میں فرضی فریق نہیں ہے



جسے ہم ضلع سے وقفہ نہیں ہوتا۔ تفریبات ہند کے اقلیت کا رویہ کی ہے اور اس وفد کی آمد سے انکی  
 کارروائی خواہ کتنی ہی غلط کیوں ہو ان حکام کی خدمت یا ان کے افسر اعلیٰ سیکرٹری آف اسٹیشن  
 کی خدمت کوئی رشتہ خاصیت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یہ اس نتیجے کا ذمہ خلاف دعا علیہم کرتا ہوں  
 یہ نتیجہ مندرجہ ذیل مدعیان کا معاملہ یہ ہے کہ دعا علیہم مدعیان کے حقوق کا انکار کرتے رہے ہیں  
 اور وہ مدعیان کے رسوات کی آزادانہ جاری پر حکام ضلع سے نوٹس نکالوا کر رکھو وٹس ڈالنے  
 کے ذریعہ در رہے ہیں اسوجہ مدعیان دعا علیہم کے خلاف یہاں تمامیت اس مقدمہ میں قائم  
 کرتے ہیں۔ دعا علیہم نے بہت سخت مخالفت کی تمام امور اور ان کے تمام حقوق کا انکار کر دیا ہوا  
 واقعات کے خلاف اسے جزو پر خوب دھجی سے لڑا ہے۔ یہ مقدمہ بہت زیادہ تک تا عمل ہوئی ہے  
 کی پیشی میں ربا اور سبکی کچھ کارروائی ان کے سامنے ہوئی اور یہ مقدمہ سامنے ہوئی ہے۔ محکمہ اس مقدمہ کے  
 فیصلہ کرنے میں اور کارروائی دیکھنے میں تقریباً پندرہ دن لگے اور میں نے معلوم کیا کہ ذمہ داری  
 مندرجہ ذیل اور دونوں فرقوں کے میں سے لیکر پچاس اور کچھ کچھ اس سے زیادہ آدمی کمرہ عدالت  
 میں اور اسکے نزدیک رہتے تھے اور نہایت اشتیاق کے ساتھ دیکھتے رہتے تھے کہ مقدمہ میں  
 کیا ہو رہا ہے جو کچھ میرے سامنے گذرا اس سے میرے دماغ میں ذرا بھی شبہ اس امر کا باقی  
 نہیں رہتا کہ مستی ہمیشہ محو غمی مدعیان کے حق کا انکار کر نہیں دیتی رکھتے ہیں۔ فصاحت  
 ہو کہ مدعیان کے گواہ ہیں اقبال کرتے ہیں کہ سنیں نے حکام ضلع کے پاس مدعیان کے حقوق  
 کے قبل اور تاشہ کی شکایت کی جسکو حکام نے اپنے نوٹس زیر دفعہ ۴۴ اسے روک دیا۔ محمد ایوب  
 گواہ دعا علیہم تہرا بھی ثابت کرتے ہیں کہ دعا علیہم نے مدعیان کے حق کا انکار کر نہیں دیتی دھجی دے  
 اور یہ واقعہ ہے کہ دعا علیہم کی طرف کے تمام گواہوں نے سولے تین گواہوں کے جنہوں نے  
 واقعات کے متعلق کچھ کہا ہی نہیں ہے مدعیان کے حقوق کا انکار کرتے ہیں۔ محکمہ نوٹ کرتا رہا  
 ہے کہ ان لوگوں کے خلاف جو مدعیان کے حقوق کے انکار کر نہیں دیتی لیتے ہیں زیر دفعہ







قانونی حقوق کو جو بر جاتے ہوئے نافذ کئے ہیں وہ ان کا متدارک رہتے اور کبھی کبھی ان سے وہ  
 بیماری اور بڑھ گئی ہے جس کے علاج کے لئے وہ اتنی نیک نیتی سے نافذ کئے گئے تھے۔ میری تجویز  
 میں ایسے تمام مجسٹریٹوں کے موقعوں پر جو کہ کسی طبقوں یا فرقوں کے درمیان مائد ہوتی ہیں  
 تمام صلح کو اپنی انتہائی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ تمام قانونی سے معلوم کر لیں کہ حقوق  
 قانونی ان کے پاس ہیں اور حسب ان کو ایک مرتبہ معلوم ہو جائے تو اسپر کار بند ہو جائیگا  
 اور ان قانونی حقوق کو حکومت کی اس تمام طاقت کے ساتھ جو ان کو تیسرے کے خلاف  
 کر سکتا ہے اس سے ایک یا دو موقعوں پر وقتوں کا سامنا ہو لیکن اس کے بعد فریقین  
 خود بخود اپنے حقوق پر قائم ہو جائیں گے اور امن و امان اختیار کر لیں گے۔ جیسے پالیسی  
 سگو قدرتی حالت میں بہت سے فرمایا جاتا ہے تو وہ اپنے کسی لیول پر خاموشی سے بہا رہتا ہے  
 میں مرموعہ پر انریبل انکیورٹ کے مجمع سامان کے نظریے دینے کے بعد میں اس تجویز  
 کو ختم کر دینگا اور ان کے ان نظریوں کو مجمع سامان پر یو یو کونسل نے بھی منظور کر لئے ہیں  
 ان تمام اس کام کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام صلح اور پولیس اور مجسٹریٹ جو اپنے اختیارات کو  
 زیر دفعہ ۱۴۲ اور ۱۴۳ تعزیرات ہند اور دفعہ ۲۰ پولیس ایکٹ ۱۸۶۱ کے تحت کام میں لاتی  
 ہیں اور انہیں دفعات قانونی کے ماتحت انکو مداخلت کا حق حاصل ہے۔ ملاحظہ ہو  
 انریبل جسٹس سینٹ ۱۸۶۱ء اور آباد لا جرنل ۶۲ صفحہ ۱۱۱۱) ان کو ہمیشہ اپنے اختیار  
 اس شخص کے موافق اور اس کی حفاظت کے لئے صرف کرنے چاہئیں جسکو قانونی حق ملتا ہے  
 اور اس شخص کے دبانے میں صرف کرنے چاہئیں جو اس حق میں مداخلت کرے لیکن سخت  
 ضرورت کے موقع پر جبکہ ان کی احوال قانونی حقوق کی حفاظت کے لئے نا کافی ہو اور نقصان  
 ہو مینوالا ہو اور چاہئے ایسے واقعات ان کے سامنے پیش آجائیں تو وہ وحشی طور پر حقوق  
 قانونی کے بحال کرنے کو روک سکتے ہیں۔ مجمع سامان مدراس (انسکوریٹ ۱۸۶۱ء ص ۱۴۱)  
 کی رائے حسب ذیل ہے۔ امن عامہ کو قائم رکھنے کے لئے انکو (مجسٹریٹ) مخصوص اختیارات



حاصل میں اور وہ اختیارات خاص موقعوں کے لئے محدود ہیں۔ اسکا پہلا فرم یہ ہے  
 کہ وہ ہر شخص کی اپنے حق قانون کی بجا آوری میں مدد کرے۔ اور خطہ اقدام کے طور پر  
 لوگوں کو روکے جو کہ اس کے حقوق میں مداخلت کریں۔ لیکن اگر وہ خیال کرتا ہے کہ قانونی  
 بجا آوری سے بلوہ ہو جائیگا تو پبلک کی بھلائی کو وقتی طور پر ذاتی حق پر ترجیح دیکتا ہے  
 اور مجسٹریٹ کو اسکی بجا آوری روکنے کا اختیار ہے۔ مجسٹریٹ کے اس اختیار کی اہمیت اتنی  
 ہی ہوگی جتنی کی ضرورت سماجی ہوسکی وجہ سے اسکو ان اختیارات کا کام میں لانا پڑتا  
 وہی ہائیکورٹ دو سہ ہفتہ ۶۰ء میں حسب ذیل فیصلہ دیتی ہے جبکہ قانونی  
 ضد میں ہوں تو اس شخص کو جو اسکا بدلہ ہے اس پوری حفاظت کا مستحق ہے جو قانون  
 کر سکتا ہے بشرطیکہ موقعہ اجازت دے۔ اس بات کے ثابت کرنے میں کسی دلیل کی ضرورت  
 نہیں ہے کہ مجسٹریٹ کے اختیارات ان حقوق کی حفاظت میں صرف ہوسکتے ہیں نہ کہ  
 ان کے روکنے میں اور خلاف قانون باتوں کے روکنے میں ہونی چاہئیں۔ کسی قانونی  
 حقوق کیساتھ مداخلت کر نہیں۔ ایسا حکم ہوا ہے موقعوں پر جاری کیا جاتا ہے اس سے  
 اسکا اقبال ہو جاتا ہے کہ بقاعدگی ہونیکا استعمال ہے اور یہ کہ اس موقع پر حکومت متعلق  
 پوری حفاظت نہیں کر سکتی۔ جب ایسے احکام بار بار جاری ہوتے ہیں تو امن عامہ کے  
 قیام کے متعلق احکامات کی قدر و قیمت ان لوگوں کی نظروں میں خلی حقوق کیساتھ مداخلت  
 کی جاتی ہے زیادہ واضح نہیں رہتی اور یہ اثر پیدا ہوتا ہے کہ اس کی قانونی استحفاظہ  
 مخالفت میں اس کے بدلہ کا مظاہرہ جنگی رسم سے عدالت دیوانی کے فیصلے پر کیا  
 کر سکتے جاتے ہیں وہ قانونی استحقاق کے نمونے کیلئے عدالت دیوانی میں چارہ جوئی کر سکی  
 بہ نسبت زیادہ کارگر سوں کے جبکہ پبلک کے بڑے حصے کے دماغ میں یہ اثر پیدا ہوتا ہے  
 تو حقوق کی قانونی بجا آوری کی حفاظت کرنے کے انکاسے اور زیادہ سخت خطرہ کا اندیشہ  
 ہوتا ہے۔ ایسے آدمی شکوہ حکام کی امانت میں کر سکتے ہوتے ہیں ہرگز وہ بجا آوری میں



کہ ایسے آدمی بھی جو عام طور سے حکام کے احکام کی نوازداری کرنے کے شائق ہوتے ایسے  
 لوگ بھی زیادتی کی وجہ سے اور ایسے لمبوں کی مثالوں سے جن سے ملائیوں کی کامیابی ہو جاتی  
 ہے ان کے دماغ بھی دوسری طرف پھر جاتے ہیں۔ جج صاحبان پر یوپی کونسل نے اسکو منظور  
 کر لیا ہے کہ یہ قانون کا کج اظہار ہے اور ہم کونج صاحبان سے زیادہ بہتر الفاظ پولیس  
 اور مجسٹریٹ کے اختیارات کے اظہار کے کیلئے نہیں دستیاب ہوتے۔ مدعیان کو یقیناً  
 ان حقوق کا جن کا وہ دعویٰ کرتے ہیں حاصل کرنا حق ہے لیکن اس قانونی حق پر عمل کرنے میں  
 ایسے موقعہ پیش آسکتے ہیں جہاں پولیس اور مجسٹریٹ نقص امن کو روکنے کے لئے یا مثلاً عام  
 کے رد کے جانے کیخلاف ان حقوق کی ادائیگی پر پابندیاں عائد کر سکتے ہیں انکو یہ حق استحقاقاً  
 حاصل ہے اس وجہ سے ڈگری دینے میں ایک شرط کا اضافہ کرنا درست ہے اسوجہ سے میں حسب  
 ذیل ڈگری مدعیان کے موافق دیتا ہوں اور وہ آئریبل سلیمان اور آئریبل جسٹس نیگ کی  
 اس مقدمہ کی ڈگری کے خلاف کے مطابق ہے جو کہ ۱۹۳۸ء الہ آباد لا جرنل ۳۵۴ میں  
 شائع ہوا تھا۔ لہذا حکم ہوا کہ مدعیان مقدمہ انفرادی حیثیت سے اور فرقہ شیعیان جو پور  
 کے افراد کی حیثیت سے اپنے بطور جن کا کہ انھوں نے عرضی دعویٰ دائر سی ایلٹ میں  
 حق مانگا ہے۔ شہادت اہم حسین کی یادگار میں تاشہ اور طبل اور نوہ ماتم کے ساتھ ان  
 سات آدمیوں پر لعنت کہتے ہوئے جن کے نام عرضی تاشہ میں درج ہیں۔ جو پور کی پر  
 گلی اور شاہراہ عام پر قاضی کی گلی میں جس کا اظہار دائر سی میں کیا گیا ہے۔ لے  
 عا سکتے ہیں۔ مدعیان کے حقوق کا استقرار مجسٹریٹ یا پولیس کے ہر اس حکم اور  
 ہدایت کے ماتحت ہے جو کہ نقص امن عامہ شاہراہ عام کی رکاوٹ یا دوسرے  
 معاملات پر جو دفعہ ۱۲۲ ضابطہ فوجداری میں یا دوسرے قانونی دفعات میں  
 مذکور ہیں یا ٹریفک کے ریگولیشن کے بارے میں نافذ ہوں۔ مدعیان اپنا خرچہ علیہم  
 سے پائیں گے۔ دستخط ہندت ٹھاکر پرشاد دے ۱۰ جولائی ۱۹۳۸ء



سب سے اچھی اور سب سے سستی

اردو، ہندی، انگریزی کی چھپکالی

درکار سے تو

قومی پریس (محلہ انصاریان) سہانپور کی

خدمات حاصل کیجئے







